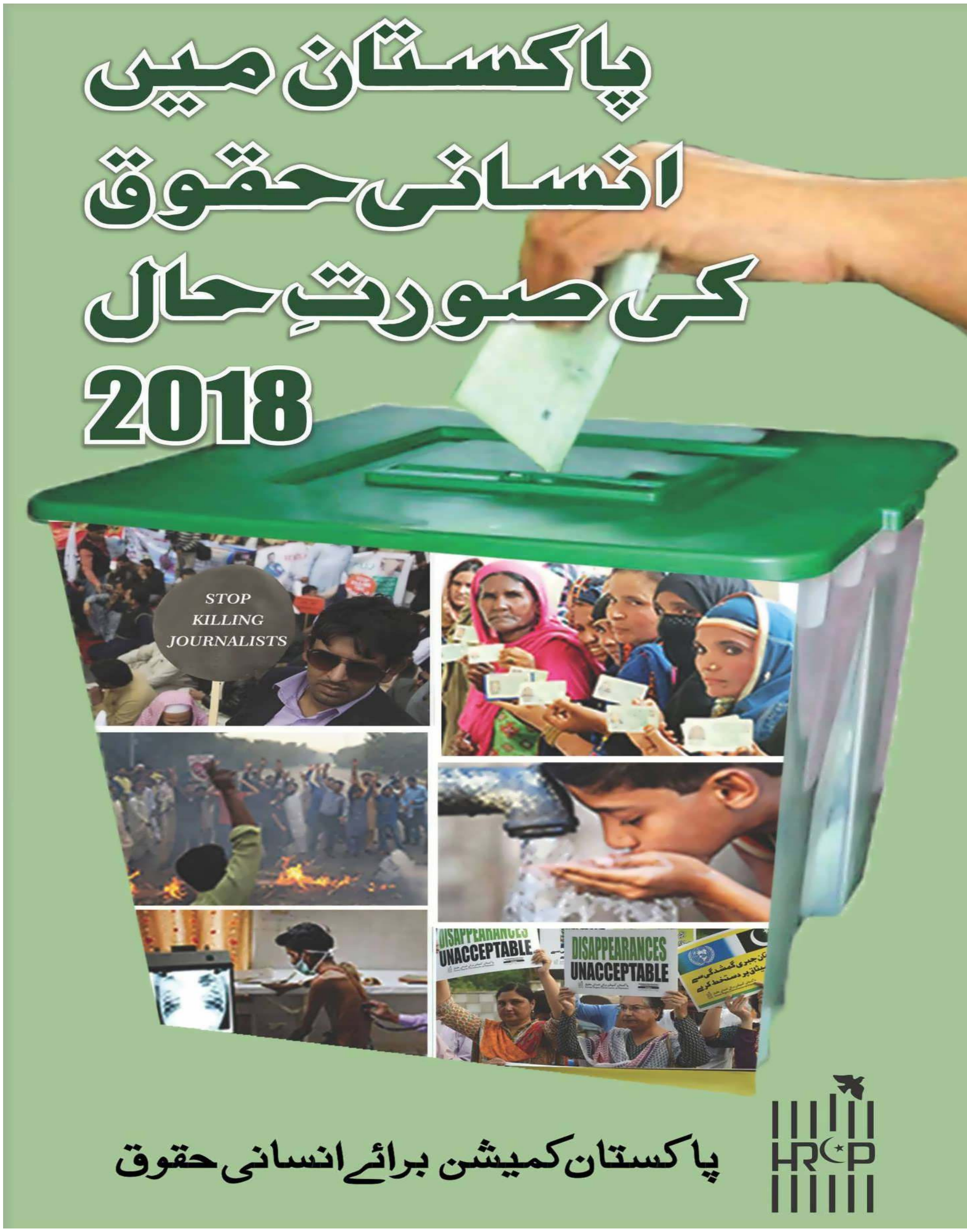
ماہنامہ
جہد حق

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

جلدنمبر26......شمارہ نمبر5...... مئی 2019

(قیمت10روپے)

Monthly JUHD-E-HAQ - May-2019 - Registered No. CPL-13



انتخابات کے سال میں انسانی حقوق کو بھلا دیا گیا



اسلام آباد: 'انسانی حقوق اور جمہوری عمل میں شمولیت' پر قومی کانفرنس



اسلام آباد: ایچ آر سی پی کی سالانہ رپورٹ
''انسانی حقوق کی صورت حال: 2018ء''
کا اجراء 15 اپریل 2019 کو اسلام آباد میں کیا گیا

فہرست

انتخابات کے سال میں انسانی حقوق کو بھلا دیا گیا۔ایچ آر سی پی کی سالانہ رپورٹ کا اجراء

اپنی انتہائی اہم سالانہ رپورٹ '2018 میں انسانی حقوق کی صورتحال' کے اجراء پر، پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے کہا ہے کہ 'عام انتخابات کے سال میں اگر انسانی حقوق کے معاملات پر پیش رفت اور ان کے تحفظ کو مکمل طور پر پس پشت نہیں بھی ڈالا گیا تو ان سے توجہ ضرور ہٹائی گئی۔انتخابات بذات خود قبل از انتخاب ہونے والی ساز باز اور ووٹوں کی دھاندلی جیسے الزامات، جن کا مکمل ازالہ نہیں کیا گیا، اور تشدد کے بعض خوفناک واقعات، کی لپیٹ میں رہے۔اس کے باوجود، عام نشستوں پر خواتین امیدواروں کی تعداد پچھلے انتخاب سے زیادہ تھی اور ملک کی تاریخ میں پہلی دفعہ خواجہ سراء امیدواروں نے انتخابات میں حصہ لیا۔

آج جاری ہونے والے ایک بیان میں ایچ آر سی پی نے کہا ہے کہ اظہار رائے کی آزادی کے بنیادی حق کی جس طرح کھلم کھلا پامالی کی گئی، خاص طور پر پولنگ سے پہلے کے دنوں میں اس کی نظیر نہیں ملتی، اور مزید یہ کہ "قومی سلامتی کے خدشات" کے نام پر ذرائع ابلاغ کی کوریج پر پابندیاں لگائی گئیں، صحافیوں نے بڑی حد تک سیلف سنسر شپ اختیار کی، ایک قومی اخبار کی ترسیل بہت زیادہ گھٹا دی گئی اور ذرائع ابلاغ میں بعض واقعات کی کوریج پر مکمل پابندی عائد کی گئی۔

'2018 کا آغاز چھ سالہ بچی زینب کے ساتھ خوفناک جرم سے ہوا، اور جس جلدی سے مجرم کو سزا دی گئی اس کی بنیادی وجہ عوام کا غم وغصہ تھا۔تاہم، مجرم کو دی جانے والی سزا جرائم کی راہ میں حائل نہ ہو سکی اور بچوں کے ساتھ بدسلوکی اور تشدد کی اطلاعات مسلسل ملتی رہیں۔

جبری گمشدگیوں، ماورائے عدالت قتل، بچوں کے ساتھ زیادتی اور ان کا قتل، عورتوں پر تشدد، بچوں سے مشقت، مذہبی عدم رواداری، اقلیتوں کے ساتھ ظلم، "عزت" کے نام پر جرائم کی اطلاعات نے عوام کے ضمیر کو ہلا کر رکھ دیا۔

'عورتیں، بچے اور مزدور بہت زیادہ غیر محفوظ رہے۔ایچ آر سی پی نے جو کوائف مرتب کیے ہیں ان کے مطابق، عورتوں پر جنسی تشدد کے 845 واقعات پیش آئے اور مردوں اور عورتوں دونوں کو 'عزت' کے نام پر 316 جرائم کا نشانہ بنایا۔ 2018 میں، تھر، سندھ میں 638 بچے غذائیت کی کم کے باعث ہلاک ہوئے۔

'بلوچستان اور دیگر صوبوں میں کئی کان کن جان لیوا حادثات میں اپنی زندگی سے گئے جبکہ جائے روزگار پر حفاظت اور صحت کے معیارات کے نفاذ پر کوئی پیش رفت نظر نہیں آئی۔اس کے علاوہ، اطلاعات کے مطابق، اندازاً، ایک کروڑ، 20 لاکھ بچوں سے مشقت کروائی جا رہی ہے۔

افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ اندازاً 16,136 آئی ڈی پیز خاندان ابھی تک اپنے علاقے میں واپس نہیں گئے۔ یہ تعداد زیادہ بھی ہو سکتی ہے۔

واحد مثبت پیش رفت سپریم کورٹ سے آسیہ بی بی کی رہائی تھی، مگر عدالتی فیصلے کے خلاف پھوٹنے والے تشدد کو صرف اس وقت ہی دبایا جا سکا جب 'معاہدہ' طے پایا تھا۔

'ایگزٹ کنٹرول لسٹ (ای سی ایل) کا حد سے زیادہ اور من مانا استعمال خبروں کی زینت بنتا رہا۔ریلیوں کو روکنے یا ان میں خلل ڈالنے کے لیے، خاص طور پر انتخابات سے پہلے کے دنوں میں، کارکنوں کو پہلے سے حراست میں لیا جاتا رہا۔

'عدالت عظمیٰ کی مداخلتوں کو بہت زیادہ توجہ ملتی رہی، مگر فوجداری نظام انصاف میں اصلاح کے دیرینہ معاملے سے چشم پوشی جاری رہی اور تمام عدالتوں میں جمع ہونے والے مقدمات کی تعداد قابو سے باہر تھی۔سال کے اختتام تک، 250 سے زائد نچلی، خصوصی اور اعلیٰ عدالتوں میں 1.9 ملین (19 لاکھ) مقدمات زیر التوا تھے۔سال کے اختتام پر، 4,688 قیدی سزائے موت کے منتظر تھے اور 2014 کے بعد سے اب تک کم از کم 500 کو پھانسی لگا دی گئی تھی جن میں سے 14 کو 2018 میں پھانسی دی گئی۔

'خاص طور پر، سال کے دوران جو سرگرمیاں زیادہ نمایاں تھیں اور بڑے پیمانے پر رپورٹ ہوتی رہیں وہ قومی احتساب بیورو کی تھیں جس کے کام کرنے کے طریقہ کار کو تعریف اور تنقید کے ملے جلے ردعمل کا سامنا رہا۔خاص نشانہ بننے والوں میں سابق وزرائے اعظم، سیاستدان، ذرائع ابلاغ سے وابستہ لوگ، سی ای اوز اور جامعات کے اہلکار شامل تھے۔

فروری 2018 میں وفات پاجانے والی نڈر، صاف گو عاصمہ جہانگیر کی جتنی اس وقت ضرورت محسوس کی گئی اتنی پہلے کبھی نہیں محسوس کی گئی۔ان کی المناک موت نے ملک کو ایک ایسی بہادر آواز سے محروم کر دیا ہے جو پسے ہوؤں، نمائندگی سے محروم اور غیر محفوظ طبقوں کی حمایت میں بولنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتی تھیں۔

[پریس ریلیز۔لاہور۔15اپریل2019]

'شراکتی جمہوریت پاکستان کی بقا کے لیے ناگزیر ہے': ایچ آر سی پی

تینتیسویں سالانہ عمومی اجلاس کے اختتام پر، پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق نے درج ذیل بیان جاری کیا ہے:

ایچ آر سی پی کو شراکتی جمہوریت کے بنیادی اصولوں میں ردوبدل کرنے اور اکثریت کو فوقیت دینے والے ریاستی طریقہ کار کی طرف لوٹنے کی کوششوں پرتشویش لاحق ہے۔اس رجحان پر قابو پایا جائے کیونکہ یہ تنوع کے تقاضوں کے منافی ہے۔ایچ آر سی پی کو اٹھارہویں ترمیم میں سوچے گئے منصوبے میں بہتری لانے پر کوئی اعتراض نہیں مگر وفاقی اکائیوں کے حقوق اور مفادات کو ٹھیس پہنچانے والی کوئی بھی کوشش ریاست کی بقا کے لیے نقصان دہ ثابت ہوگی۔

ایچ آر سی پی پاکستان میں سول سوسائٹی تنظیموں کے لیے پیدا کی جانے والی تنگی کی مذمت کرتا ہے۔ اس حقیقت کے پیش نظر کہ جہاں کہیں اور جب کبھی بھی ریاست عوام کو سہولیات کی فراہمی میں ناکام ہوئی، ان تنظیموں نے وہ خلاء پُر کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا، اب ان کی رجسٹریشن سے انکار کر کیا و رانہیں بے جا پابندیوں کا نشانہ بنا کر سماجی عمل سے باہر کرنا نہایت افسوسناک بات ہے۔انجمن سازی کی آزادی جو کہ ایک آئینی حق ہے، پر پابندیاں ناقابل قبول ہیں۔

ذرائع ابلاغ بہت زیادہ دباؤ کا شکار ہیں۔ ملازمتوں کے خاتمے کی صورت میں اور اختلاف رائے کرنے یا اسٹیبلشمنٹ کے خیالات کی مخالفت کرنے والے صحافیوں کی ہراسانی میں اضافے کی صورت میں بھی۔ ہراسانی کا یہ سلسلہ آن لائن بھی ہے اور اس کے لیے دیگر طریقے بھی اختیار کیے جارہے ہیں۔پیمرا نے ذرائع ابلاغ پر بے جا پابندیاں عائد کردی ہیں اور ایسا لگ رہا ہے کہ یہ پابندیاں کوئی ٹھوس مقصد حاصل نہیں کرپائیں۔ ان کے نتیجے میں اختلاف رائے کی اہم آوازیں خاموش کردی گئی ہیں جس کے پاکستان کی جمہوری ترقی پر شدید منفی اثرات مرتب ہوئے ہیں۔

ایچ آر سی پی کو فوجی عدالتوں کے تسلسل پر افسوس ہے۔ان عدالتوں سے منسلک تمام معاملات فکرمندی کا باعث ہیں۔ فوجی عدالتیں بنیادی طور غیرجمہوری ہیں اور انہیں جاری رکھنے کا کوئی جواز نہیں۔ ملک کے عدالتی اور پولیس کے نظام کے ذریعے قانون کی حکمرانی کو یقینی بنایا جائے، جو کہ ایک جمہوری اختیار کے تحت شہری امن وامان برقرار رکھنے کے ذمہ دار ہیں اور رہنے بھی چاہئیں۔

ایچ آر سی پی مذہب کی جبری تبدیلی کے واقعات میں، خاص طور پر سندھ میں اضافے کی مذمت کرتا ہے۔ یہ ایک باقاعدہ اور منظّم رجحان لگ رہا ہے۔اس مسئلے کو ان برادریوں کی غیر محفوظ لڑکیوں اور عورتوں پر جبر کے وسیع تر تناظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے جو اپنے عقیدے، طبقے اور سماجی و معاشی حیثیت کی وجہ سے پہلے ہی محرومیوں کا شکار ہیں۔

یہ تکلیف دہ چیز بھی ایچ آر سی پی کے مشاہدے میں آئی ہے کہ بلوچستان میں کشیدگی کے نئے محاذ کھل گئے ہیں۔کشیدگی اب بلوچستان کے پشتون علاقوں میں پھیل رہی ہے۔ بلوچستان لیویز پر حملے ظاہر کرتے ہیں کہ شدت پسندی کے اڈے صوبے کے لیے بدستور ایک گمبھیر مسئلہ ہیں۔ایچ آر سی پی ریاست سے کہ مطالبہ بھی کرتا ہے کہ وہ تمام افراد کو جبری گمشدگی سے تحفظ فراہم کرنے کے عالمی معاہدے پر دستخط کرے اور اس معاہدے کی توثیق کرے۔ متاثرہ فرد کے گھر واپس آنے پر جبری گمشدگی کا کیس ختم نہیں ہوجانا چاہیے۔لوگوں کو جبری لاپتہ کرنے والوں کو سزا سے جو استثنیٰ حاصل ہے وہ شدید تشویش کا باعث ہے اور اگر اس مسئلے پر قابو پانا ہے تو پھر یہ استثنیٰ ختم کرنا پڑے گا۔

ایچ آر سی پی کا ریاست سے مطالبہ ہے وہ اس امر کو یقینی بنانے کے لیے ٹھوس اقدامات کرے کہ گلگت بلتستان کے عوام کو وہی حقوق ملیں جو پاکستان کے دیگر شہریوں کو آئین کی رو سے حاصل ہیں۔ گلگت بلتستان کی آئینی حیثیت کا فوری تعین کرنے کی ضرورت ہے۔ آرڈر 2018 متنازعہ ہے اور علاقے کے عوام کے جذبات کی قدر کرنے کی ضرورت ہے۔گلگت بلتستان کی عدالتوں میں ججوں کی خالی اسامیوں پر فوری تعیناتیاں کی جائیں۔

پاکستان میں بڑے پیمانے پر بچوں کے استحصال کو مروجہ قدر کے طور پر قبول نہیں کیا جاسکتا۔ بلوچستان کے کان کنی کے شعبہ میں بچوں کے ساتھ بدسلوکی کی اطلاعات پر ایچ آر سی پی کو تشویش ہے۔ بچے چونکہ معاشرے کے سب سے زیادہ غیر محفوظ طبقوں میں شامل ہیں، اس لیے ایچ آر سی پی کا ریاست سے مطالبہ ہے کہ ان کی زندگی کی سلامتی و تحفظ کے حق کو قابل ترجیح قرار دیا جائے۔ایچ آر سی پی کان کنی کے شعبہ کی حالت پر بھی فکرمند ہے۔ یہ شعبہ بچوں سے مشقت، کام کے خطرناک حالات اور کانوں کے مالکان کی نظر میں پیشہ ورانہ صحت اور تحفظ کی اہمیت نہ ہونے جیسے مسائل کا شکار ہے۔اس شعبہ میں مزدوروں کی دستاویز کاری کا نہ ہونا ایک اہم مسئلہ ہے جس کے بغیر کام کے حالات بہتر نہیں ہوسکتے۔

ایچ آر سی پی نے خواجہ سراء افراد ایکٹ 2018 کو خوش آئند قرار دیا ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ ریاست سے اپیل ہے کہ اس قانون کے نفاذ کے لیے فوری اقدامات کیے جائیں۔اگر اس پسے ہوئے طبقے کو معاشرے میں اپنا جائز کردار ادا کرنا ہے تو پھر ان کے حقوق اور شناخت کو تحفظ فراہم کرنا ہوگا۔

شدت پسندی میں اضافہ ایچ آر سی پی کے لیے تشویش کا باعث ہے۔ بہاولپور میں ایک حالیہ واقعہ میں ایک طالبعلم نے یونیورسٹی پروفیسر کو صرف اس وجہ سے قتل کر دیا کہ وہ اپنے طالبعلموں کے لیے ایک مخلوط اجتماع منعقد کررہے تھے۔ یہ واقعہ خطرے کی گھنٹی ہے۔ طالبعلم نے مبینہ طور پر شدت پسند تحریک لبیک پاکستان سے اپنے روابط کا انکشاف کیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تعلیمی اداروں میں شدت پسندی کس حد تک سرایت کرچکی ہے۔

اس سال کے کامیاب عورت مارچ کے بعد جس طرح کی بدزبانی کی گئی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عورتوں کے لیے اجتماع کی آزادی اور عوامی مقامات کے استعمال کے حق کو منوانا کتنا مشکل ہے۔عورتوں کو ریپ کی دھمکیوں سمیت دیگر قسم کی دھمکیاں دی گئیں محض اس وجہ سے کہ انہوں نے مارچ کرنے کی جسارت کی تھی۔اس طرز عمل کا کوئی جواز پیش نہیں کیا جاسکتا۔

ریاست نے دہشت گردی کے لیے ہونے والے مالی وسائل کی فراہمی کو روکنے کے سلسلے میں اب تک جو اقدامات کیے ہیں وہ غیرتسلی بخش ہیں۔اس حقیقت سے انکارنہیں کیا جاسکتا کہ مسلح تنظیمیں سب سے پہلے ملک ملک کے اپنے عوام کے لیے بہت بڑا خطرہ ہیں۔اس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ملک کے اپنے مفاد میں ہے کہ وہ اپنی سمت درست کرے اورتمام مسلح تنظیموں پر پابندی عائد کرے۔

[پریس ریلیز۔لاہور۔07اپریل2019]

انسانی حقوق کی بحث میں نئی جان ڈالنے کی ضرورت ہے: ایچ آرسی پی

اسلام آباد میں انسانی حقوق اورشراکتی جمہوریت پر اپنی قومی کانفرنس کے اختتام پر، پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آرسی پی) نے کہا ہے کہ ایسے حالات میں جبکہ انسانی حقوق کی تحریک سیاسی دھڑے بندیوں سے شدید متاثر ہورہی ہے، انسانی حقوق کی بحث میں نئی جان ڈالنے کی اشد ضرورت ہے۔کانفرنس میں اظہار، اجتماع اورانجمن سازی کی آزادی، وفاقیت، مذہب و عقیدے کی آزادی، اورقانون کی حکمرانی ودستورپسندی سے متعلق اہم معاملات پر اظہارخیال گیا گیا۔ایچ آرسی پی کی شریک چیئرپرسن عظمیٰ نورانی نے کہا کہ یہ پاکستان میں انسانی حقوق کے لیے نازک وقت ہے اورایچ آرسی پی اپنی شریک بانی عاصمہ جہانگیر کی اقدار کی علمبرداری کا خواہاں ہے۔

کانفرنس کے آغاز میں اپنے اہم خطاب میں، ایچ آرسی پی کے اعزازی ترجمان، مسٹرآئی اے رحمان نے کہا کہ عوام کا حق ہے کہ ان پر جمہوری طریقے سے حکومت کی جائے۔ان کا مزید کہنا تھا کہ سیاسی جماعتوں کوایک نئے میثاق جمہوریت کے لیے مل بیٹھنے کی ضرورت ہے۔ایچ آرسی پی کے سیکرٹری جنرل حارث خلیق نے کہا یہ انتہائی ضروری ہے کہ 'ہم پاکستان میں انسانی حقوق کو درپیش مشکلات کے بارے میں سچ بولتے رہیں'۔

'اختلاف رائے رکھنے والوں کی زبان بندی' پرگفتگو کرتے ہوئے پہلے پینل نے کہا کہ ذرائع ابلاغ خوف و ہراس اورسیلف سنسرشپ کی بڑھتی ہوئی فضا میں کام کررہے ہیں،ان حالات میں انسانی حقوق کی صورت حال پرنظر رکھنے اوران کے تحفظ کے لیے اظہار کی اورصحافت کی آزادی بہت ضروری ہے۔حقوق کی حمایت میں رائے عامہ تشکیل دینے اورحقوق کی بنیاد پر پالیسی سازی کرنے کے لیے یہ کام ناگزیر ہے۔مقررین میں سینئرصحافی صلاح الدین، زاہدحسین، اورشہزادہ ذوالفقار، نشریاتی ذرائع ابلاغ کی صحافی منیزے جہانگیراورعاصمہ شیرازی، اورڈیجیٹل حقوق کی کارکن فریحہ عزیز شامل تھیں۔

دوسرے پینل نے اس بات کا جائزہ لیا کہ اجتماع اورانجمن سازی کی آزادی کی کاوشوں کوخطرے کے طور پر کیوں لیا جاتا ہے۔مزدوروں، طالبعلموں، سول سوسائٹی اورسماجی تحریکوں کے لیے پیدا کی جانے والی تنگی پرنظرڈالتے ہوئے مقررین نے کہ ریاست ناقابل تنسیخ حقوق کومحدود کیوں کرنا چاہتی ہے اور یہ کہ ان حقوق کومستحکم کرنے کے لیے کونسی حکمت عملیاں اپنائی جاسکتی ہیں تاکہ یہ حقوق معاشرے میں تبدیلی کا سرچشمہ بن سکیں۔پینل میں بلوچستان نیشنل پارٹی (مینگل) کے ملک نصیرشاہوانی، خویندوکور کی بانی اورچیف ایگزیکٹو مریم بی بی، وکیل اورانسانی حقوق کے کارکن جبران ناصر، عوامی ورکرزپارٹی کی رکن عالیہ امیرعلی اورساؤتھ ایشیا پارٹنرشپ- پاکستان کے ڈائریکٹرمحمد تحسین شامل تھے۔

کانفرنس نے شراکتی جمہوریت کے حق اوروفاق کو درپیش مشکلات جیسے اہم معاملات کوبھی اجاگر کیا۔تیسرے پینل نے وفاقی ریاست کے طور پر پاکستان کی شناخت اورریاست کی بقا کے لیے متنوع جمہوریت تشکیل دینے کی استعداد اورمنشاء پر اظہارخیال کیا۔سینیٹرفرحت اللہ بابر اورافراسیاب خٹک، اراکین قومی اسمبلی احسن اقبال، کشورزہرا اورمحسن داوڑ نے زوردیکر کہا کہ اگروفاقی اکائیوں کے حقوق اورمفادات کوتحفظ دینا ہے تو پھر اٹھارہویں ترمیم کوواپس نہ لیا جائے۔

چوتھے پینل نے انسانی حقوق اورجمہوری شراکت کو 'انتہاپسندی کے آسیب' کے ہاتھوں لاحق خطرے پر روشنی ڈالی۔مقررین نے بتایا کہ معاشرے میں بڑھتی ہوئی قدامت پسندی ہاتھوں مذہب وعقیدے کی آزادی کے حق کوکس طرح تیزی سے سلب کیا ہے اوریہ کہ انتہاپسند سوچ وعمل کو معاشرے میں جو 'قبولیت' مل رہی ہے اس سے ہماری ریاست اورسول سوسائٹی کوکس طرح نبٹنا ہے۔مقررین میں وفاقی وزیرتعلیم وپیشہ ورانہ تربیت شفقت محمود، سابق رکن قومی اسمبلی بشریٰ گوہر، چیئرپرسن قومی کمیشن برائے حقوق نسواں خاورممتاز، سینئرصحافی اورمصنف احمد رشید، ایگزیکٹو ڈائریکٹر مرکز برائے سماجی انصاف پیٹرجیکب اوررکن قومی کمیشن برائے انسانی حقوق انیس ہارون شامل تھے۔شفقت محمود نے کہا کہ حکومت نصاب پر نظرثانی کاارادہ رکھتی ہے تاکہ اس میں سے نفرت انگیزمواد نکالا جائے اوراس سلسلے میں انتہاپسندی کا تدارک ہوسکے۔

قانون کی حکمرانی اوردستورپسندی کے تحفظ پر اظہارخیال کرنے والے آخری پینل نے اس چیز کا جائزہ لیا کہ جوابدہی، منصفانہ قانون سازی، کھلی حکومت اورتنازعات کے تصفیے کا ایسا نظام جولوگوں کی پہنچ میں ہو، کی راہ میں سزا سے استثنیٰ کیوں حائل ہے۔لاہور ہائی کورٹ کی سابق جج جسٹس (ریٹائرڈ) ناصرہ اقبال، گلگت بلتستان ہائی کورٹ بارایسوسی ایشن کے سابق صدرامجدحسین، لاہورہائی کورٹ بارایسوسی ایشن کے سابق صدرڈاکٹرعابدساقی، انسانی حقوق کی وکیل اورمساوی کی چیف ایگزیکٹو فاطمہ بخاری، انسانی حقوق کی وکیل اورایشیا سنٹر برائے تولیدی حقوق کی ایڈووکیسی مشیر سارہ ملکانی، ایڈووکیٹ سپریم کورٹ اورایچ آرسی پی بلوچستان چیپٹر کے وائس چیئرحبیب طاہر پینل کا حصہ تھے۔

پی پی پی کی نائب صدراورسینٹ میں پی پی پی کی پارلیمانی رہنماءشیری رحمان نے اپنے کلیدی خطاب میں کہا کہ عوامی گفتگو کا رخ 'ان لوگوں کے تحفظ کی طرف مڑنا چاہیے جوغیرمحفوظ، محرومیوں کا شکار ہیں اورامتیازی سلوک کا نشانہ بن رہے ہیں۔انہوں نے مزید کہا کہ، حقوق کا ایجنڈادوبارہ تشکیل دینا ہوگا۔اوریہ کام اتحادی جماعتوں کو پارلیمان کیلیے اورپارلیمان ہی کے ذریعے کرنا ہوگا تاکہ حقوق پرمبنی قانون سازی ممکن ہوسکے۔سینئرایڈووکیٹ اورایچ آرسی پی کی کونسل رکن حنا جیلانی نے سیشن کی کاروائی کوسمیٹتے ہوئے کہا کہ انسانی حقوق پرگفتگو جاری رکھنا ضروری ہے اورکانفرنس کا مقصد لوگوں کواس محاذ پرسرگرم رہنے کے لیے 'اکسانا' ہے۔

ایچ آرسی پی نے اس امید کا اظہار کیا ہے کہ یہ کانفرنس انسانی حقوق کے مکمل احترام کویقینی بنانے کے لیے قانونی و ادارہ جاتی اصلاحات، پالیسی سازی اوران کے نفاذ کے منصوبوں کے لیے ضروری شرائط پر اتفاق رائے کا سبب بنے گی۔پاکستان میں انسانی حقوق کے معاملات کو اورزیادہ اجاگر کرنے کی اشد ضرورت ہے، اورآبادی کے زیادہ پسے ہوئے طبقوں کو

بااختیار بنانے اوران کے مسائل کو حکومت ترجیحات میں شامل کرنے کے لیے جدوجہد کی بھی بہت زیادہ ضرورت ہے۔

[پریس ریلیز۔لاہور۔10اپریل2019]

شیعہ ہزارہ برادری پرحملہ قابل مذمت ہے: ایچ آرسی پی

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آرسی پی) نے آج کوئٹہ میں ہونے والے حملے کی شدید مذمت کی ہے جس میں کم ازکم 20 افراد ہلاک اور 48 زخمی ہوئے ہیں۔ حملے کا نشانہ شہر کی شیعہ ہزارہ برادری تھی جو محفوظ حصار میں رہ رہی ہے، اور گذشتہ برس کے حملوں کے تواتر کی وجہ سے اب جب کبھی وہ خوراک اور دیگر اشیاء لینے باہر جاتے ہیں تو ان کے ساتھ پولیس کا ایک دستہ ہوتا ہے۔ کوئٹہ میں ایچ آرسی پی کے ذرائع کا کہنا ہے کہ حملے میں دیگر شہریوں کے علاوہ کم ازکم آٹھ شیعہ ہزارہ اور ایف سی کا ایک اہلکار مارے گئے ہیں۔

آج جاری ہونے والے ایک بیان میں، ایچ آرسی پی نے کہا: اس واقعے کا ایک سبزی منڈی میں پیش آنا جہاں شیعہ ہزارہ لوگ اکثر آتے ہیں ، ظاہر کرتا ہے کہ وہ بدستور غیر محفوظ ہیں باوجود ان کوششوں کے جو ان کی زندگی وسلامتی کے حق کو یقینی بنانے کے لیے کی گئیں۔ یہ صورتحال ایک گہرے فرقہ ورانہ مسئلے کی نشاندہی کرتی ہے جو اس وقت تک حل نہیں ہوگا جب تک ریاست شدت پسندی اور مذہبی انتہاپسندی کے خاتمے کے لیے منظم کوشش نہیں کرتی۔ شیعہ ہزارہ محصور ہوکر رہ رہے ہیں، ان کی نقل و حرکت اوراجتماع محدود ہے اورکاروبار کرنے اور روزمرہ امور نبٹانے کی صلاحیت بہت زیادہ متاثر ہوئی ہے۔ زندگی اس طرح سے نہیں گزاری جاتی۔

یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ قومی کمیشن برائے انسانی حقوق کے مطابق، گزشتہ پانچ سالوں کے دوران 500 سے زائد شیعہ ہزارہ ٹارگٹ کلنگ کا نشانہ بن چکے ہیں۔ پاکستانی شہری ہونے کے ناتے، شیعہ ہزارہ برادری کو ایک وسیع تر معاشرے کا حصہ ہونے کی حیثیت سے اور شدت پسندوں کے حملوں کے مسلسل خوف کے بغیر زندہ رہنے کا حق حاصل ہے۔ اگرچہ پولیس اور ایف سی کے محافظوں کے ذریعے تحفظ فراہم کرنا ضروری ہے تاہم یہ ایک قلیل المدت حل ہے۔ ریاست کو یقینی بنانا ہوگا کہ بلوچستان میں قانون نافذ کرنے والے وہ ادارے جن کے اپنے اہلکار اس حملے اور ایسے دیگر حملوں میں جاں بحق ہو چکے ہیں، مجرموں کو انصاف کے کٹہرے میں لانے کو ترجیح دیں۔ ریاست کو یہ واضح پیغام بھی دینا چاہیے کہ وہ کسی بھی مذہبی یا لسانی اقلیت کے خلاف تشدد برداشت نہیں کرے گی۔

[پریس ریلیز۔لاہور۔12اپریل2019]

اوڑمارہ ہلاکتیں قابل مذمت ہیں، ایچ آرسی پی

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آرسی پی) نے اوڑمارہ، بلوچستان کے قریب 11 سکیورٹی اہلکاروں سمیت کم ازکم چودہ افرد کے قتل کی شدید مذمت کی ہے۔ انہیں بعض مسلح افراد نے اس وقت گولیاں مار کر قتل کیا جب وہ کراچی سے گوادر آرہے تھے۔ جس طریقے سے ان مسافروں کے باقاعدہ شناختی کارڈز دیکھ کران کی شناخت کی گئی، سکیورٹی اہلکاروں کے بھیس میں مسلح افراد نے انہیں زبردستی بسوں سے اتارااور بےحسی کے ساتھ قتل کردیا، اس ساری کاروائی نے ایچ آرسی پی کو بہت زیادہ تکلیف دی ہے۔

'جن تین تنظیموں نے حملے کی ذمہ داری قبول کی ہے ان کی طرف سے کھلے عام یہ کہنا کہ وہ سکیورٹی فورسز کو نشانہ بنا رہے تھے اس المناک حقیقت کی یاددہانی ہے کہ بلوچستان ابھی بھی شدت پسندی اور بہیمانہ تشدد کی لپیٹ میں ہے باوجود اس کے کہ سکیورٹی فورسز کی ایک بھاری تعداد طویل عرصے سے وہاں موجود ہے۔ یہ کہنا کافی نہیں کہ ان تنظیموں پر پابندی ہے یا یہ کہ ریاست نے غم وغصے کا اظہار کیا ہے اور مجرموں کو انصاف کے کٹہرے میں لانے کا عزم ظاہر کیا ہے۔ نہ ہی اسے "بیرونی عناصر" کی کاروائی قرار دینا جو کہ صوبائی وزیر داخلہ نے قرار دی ہے، قابل قبول ہے۔

ایچ آرسی پی کا ریاست بشمول بلوچستان میں تمام سیاسی جماعتوں سے مطالبہ ہے کہ وہ تشدد چاہے کسی بھی قسم کے حالات میں ہو، کی مذمت کے لیے ایک متحد اور یکساں مؤقف اپنائیں اور اس نقطہ نظر کو اپنائیں اور فروغ دیں کہ سیاسی عمل ہی واحد طریقہ ہے جس سے صوبے کے تمام شہریوں اور باشندوں کے جائز حقوق کو یقینی بنایا جاسکتا ہے۔

[پریس ریلیز۔لاہور۔19اپریل2019]

جہدحق پڑھنے والے توجہ کریں

☜ آپ نے اس شمارہ کا مطالعہ کیا۔
جوخامیاں/کمزوریاں آپ کو نظر آئی ہوں۔ ان کی نشاندہی خط کے ذریعے سے کیجئے۔
☜ آپ بھی اپنے علاقے میں ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی رپورٹ/اطلاع ہمیں اس رسالہ میں چھپنے والا رپورٹ فارم پُر کر کے بذریعہ ڈاک روانہ کر سکتے ہیں۔ حقائق اچھی طرح سے تصدیق کر کے لکھیں۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
''ایوان جمہور'' 107 - ٹیپو بلاک،
نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

HRCP کارکن متوجہ ہوں

'''جہدحق'' کے لیے رپورٹ فارم کے مطابق کوائف پرمبنی رپورٹیں، خبریں، تصاویر اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق دیگر مواد مہینے کے تیسرے ہفتے تک پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے مرکزی دفتر میں پہنچ جانا چاہیے تاکہ یہ اگلے شمارے میں شائع کیا جاسکے۔

جہدحق کا تازہ شمارہ اور پچھلے شمارے نیچے دی گئی ویب سائٹ پر موجود ہیں

www.hrcp-web.org

پاکستان اور انسانی حقوق کا بین الاقوامی نظام

پاکستان کے عالمی سطح پر انسانی حقوق کے عہد و پیمان اور بین الاقوامی معاہدوں کے تحت عائد ہونے والی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کا جائزہ لینے کے لیے سال 2018 بے حد اہم تھا۔ اقوام متحدہ کی کونسل برائے انسانی حقوق نے پاکستان کے تیسرے سلسلہ وار جائزے (یو پی آر) کے نتائج کو اختیار کر لیا۔

یو پی آر اقوام متحدہ کی کمیٹی برائے انسانی حقوق کے تحت قائم ایک اہم نظام ہے جس کا مقصد انسانی حقوق سے متعلق رکن ممالک پر عائد ہونے والی ذمہ داریوں اور معاہدوں پر عملدرآمد بہتر بنانا ہے۔ یو پی آر دراصل دیگر رکن ممالک کی جانب سے جائزے کا عمل ہے، جس میں ہر رکن ملک کی انسانی حقوق سے متعلق کارکردگی کا ہر چار سے پانچ سال بعد جائزہ لیا جاتا ہے۔ یہ جائزہ کونسل برائے انسانی حقوق کے 47 اراکین پر مشتمل ایک یو پی آر ورکنگ گروپ لیتا ہے۔ اقوام متحدہ کے تمام رکن ممالک کو دیگر ریاستوں کے یو پی آر جائزے میں حصہ لینے اور سفارشات پیش کرنے کا حق حاصل ہے۔

تیسری یو پی آر رپورٹ میں ایسے تشویشناک امور کی نشاندہی کی گئی جو 2008 اور 2012 میں ہونے والے پچھلے دو جائزوں میں بھی سامنے آئے تھے۔ پاکستان کا تیسرا یو پی آر 16 نومبر 2017 کو ہوا اور جائزے کے دوران 289 سفارشات پیش کی گئیں۔ اس جائزے میں 111 ریاستوں نے شرکت کی اور 14 ریاستوں نے اپنے سوالات پہلے سے جمع کروا دیئے تھے۔

جائزے کے عمل کے دوران پاکستان کے لیے مختلف النوع سفارشات پیش کی گئیں۔ ان سفارشات میں سزائے موت کے خاتمے کی نیت سے اس پر عارضی پابندی، 'توہین مذہب و رسالت' کے قوانین کو بین الاقوامی قوانین کے مطابق بنانے کے لیے ختم کرنا یا تبدیل کرنا، اور مذہبی اقلیتوں، انسانی حقوق کے محافظین، صحافیوں اور خطرات کی زد میں آئے دیگر گروہوں کی حفاظت شامل ہیں۔

پاکستان نے 2012 کے یو پی آر جائزے میں سے چند پر عملدرآمد کیا ہے۔ پاکستان نے قومی کمیشن برائے انسانی حقوق قائم کیا۔ یہ کمیشن انسانی حقوق کی صورت حال کا جائزہ لینے کا مجاز ادارہ ہے، تاہم اسے آزادنہ حیثیت میں کام کرنے کے لیے مزید اختیارات دینے کی ضرورت ہے۔ پاکستان نے وعدے کے مطابق گھریلو تشدد اور کام کرنے کی جگہ پر جنسی ہراسانی کو جرم قرار دینے، غیرت کے نام پر قتل کے خلاف قوانین کو بہتر بنانے اور ہندو شادیاں رجسٹر کرنے کے لیے قانون سازی بھی کی ہے۔



دوسری یو پی آر رپورٹ پر عملدرآمد کرتے ہوئے، پاکستان نے مذہبی اقلیتوں کے خلاف پرتشدد حملوں کے ذمہ داران کے خلاف کارروائی کا عہد کیا۔ پاکستان نے توہین مذہب کے قوانین کے غلط استعمال اور مذہب کی جبری تبدیلی کے واقعات کی روک تھام کا بھی عہد کیا۔ اس سب کے باوجود، 2012 سے اب تک مذہبی اقلیتوں کے عدم تحفظ اور ان پر ظلم و ستم میں اضافہ ہوا ہے۔

> یو پی آر اقوام متحدہ کی کمیٹی برائے انسانی حقوق کے تحت قائم ایک اہم نظام ہے جس کا مقصد انسانی حقوق سے متعلق رکن ممالک پر عائد ہونے والی ذمہ داریوں اور معاہدوں پر عملدرآمد بہتر بنانا ہے۔ یو پی آر دراصل دیگر رکن ممالک کی جانب سے جائزے کا عمل ہے، جس میں ہر رکن ملک کی انسانی حقوق سے متعلق کارکردگی کا ہر چار سے پانچ سال بعد جائزہ لیا جاتا ہے۔ یہ جائزہ کونسل برائے انسانی حقوق کے **47** اراکین پر مشتمل ایک یو پی آر ورکنگ گروپ لیتا ہے۔ اقوام متحدہ کے تمام رکن ممالک کو دیگر ریاستوں کے یو پی آر جائزے میں حصہ لینے اور سفارشات پیش کرنے کا حق حاصل ہے۔

یو پی آر کی رپورٹ پر اپنے بیان میں پاکستان نے مذہبی آزادی اور آزادی اظہار رائے سے متعلق قوانین کو آئی سی سی پی آر کے مطابق ڈھالنے کے لیے، ان کا جائزہ لینے کا عہد کیا۔

پاکستان پینل کوڈ کی دفعہ 295 سی توہین مذہب کے لیے سزائے موت لازم قرار دیتی ہے، اگرچہ اس شق کے تحت آج تک کسی کو پھانسی نہیں دی گئی۔ پاکستانی حکومت، توہین مذہب و رسالت کے قوانین میں ترمیم یا تبدیلی کرنے میں ناکام رہی ہے، اس قوانین کی مختلف شقیں مذہبی اقلیتوں کے خلاف تشدد اور تشدد کے ذمہ داران کو تحفظ دینے کا باعث بنتی ہیں۔

2012 کے یو پی آر کے دوران، پاکستان نے 'صحافیوں پر حملے کرنے والے تمام افراد اور اداروں کے خلاف تفتیش اور انہیں انصاف کے کٹہرے میں لانے' کی تجویز کو تسلیم کیا تھا، تاہم حکومت کی جانب سے اب تک اس ضمن میں کسی قسم کے اقدامات نہیں کیے گئے۔ حکومت 'صحافیوں پر حملوں کی روک تھام اور ایسے حملوں کے ذمہ داران کے خلاف تفتیش اور انہیں سزا دلانے کے لیے قانون سازی' کرنے کے اپنے عہد پر عمل کرنے سے بھی قاصر رہی ہے۔

2012 کے یو پی آر میں حکومت نے عدلیہ، قانون کے نفاذ اور قید خانوں میں اصلاحات کے ساتھ ساتھ جرائم اور بدعنوانی کی روک تھام جاری رکھنے کی تجویز کی حمایت کی تھی۔ فوجداری نظام انصاف میں اصلاحات کرنے کی بجائے، پاکستان نے خفیہ فوجی عدالتوں کے قیام کی منظوری دی۔ ان عدالتوں کے عام شہریوں کے خلاف دہشت گردی کے مقدمات کی سماعت اور سزائے موت دینے کا اختیار موجود ہے۔

یو پی آر کے دوران پاکستان نے 'جبری گمشدگیوں کو جرم قرار دینے اور اپنی ذمہ داریوں کی مکمل تکمیل ہونے کے لیے جبری گمشدگیوں کی تحقیقات کے لیے قائم کمیشن کے اختیارات میں اضافے' کی تجویز کی بھی حمایت کی تھی۔ پاکستان اپنا یہ عہد نبھانے میں ناکام رہا ہے۔

2012 میں ہونے والے پچھلے یو پی آر کے دوران، حکومت نے 'بچوں کے ساتھ جنسی بدسلوکی اور استحصال کے خاتمے کے لیے جامع اقدامات' کرنے کی تجویز منظور کی تھی۔ مئی 2016 میں کمیٹی برائے حقوق اطفال نے پاکستان کی کارکردگی کا جائزہ لیا، کمیٹی نے بچوں پر اثر انداز ہونے والے متعدد مسائل پر تشویش کا اظہار کیا، جن میں نابالغ افراد کی

پھانسیاں، فرقہ وارانہ تشدد اور دہشت گردی کے اثرات، پولیس حراست میں بدسلوکی اور تشدد، اور بچوں سے سخت مشقت لینے جیسے مسائل شامل ہیں۔ پاکستانی حکومت، ملک بھر میں بچوں کے حقوق کے نفاذ کے لیے ایک آزاد قومی کمیشن برائے حقوق اطفال قائم کرنے میں ناکام رہی۔

پاکستانی حکومت نے 2012 کے یو پی آر کے دوران 'بچوں، عورتوں اور معذور افراد کی بہبود کے لیے کام جاری رکھنے پر رضامندی ظاہر کی۔ پاکستان نے 2011 میں معذوری کا شکار افراد کے حقوق کے کنونشن کی توثیق کی تھی، تاہم اس کنونشن پر عملدرآمد نہیں ہو سکا۔ مثال کے طور پر، کنونشن کے تحت پاکستان معذور افراد کو صحت کی کافی سہولیات اور نظام عدل میں خصوصی افراد کی شمولیت کے لیے قواعد وضوابط میں تبدیلی لانے کا پابند ہے۔ تاہم معذور قیدیوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے خاطرخواہ حفاظتی اقدامات نہیں کیے گئے۔ جسمانی اور نفسیاتی وسماجی معذوری کے شکار افراد کال کوٹھڑیوں کے سخت حالات میں رکھے گئے ہیں۔ ایسے افراد کو قید تنہائی میں بھی رکھا جاتا ہے جو پہلے سے موجود نفسیاتی اور دماغی امراض کے شکار افراد کے لیے تباہ کن ثابت ہو سکتا ہے۔

پاکستانی حکومت نے **2012** کے یو پی آر کے دوران 'بچوں، عورتوں اور معذور افراد کی بہبود کے لیے کام جاری رکھنے پر رضامندی ظاہر کی۔ پاکستان نے **2011** میں معذور افراد کے حقوق کے کنونشن کی توثیق کی تھی، تاہم اس کنونشن پر عملدرآمد نہیں ہو سکا۔ مثال کے طور پر، کنونشن کے تحت پاکستان معذور افراد کو صحت کی کافی سہولیات اور نظام عدل میں خصوصی افراد کی شمولیت کے لیے قواعد وضوابط میں تبدیلی لانے کا پابند ہے۔

انسانی حقوق کے محافظین کے تحفظ کے معاملے پر، کینیڈا نے پاکستان کو انسانی حقوق کے محافظین، صحافیوں، بلاگروں اور جمہوریت کے فروغ کے لیے کام کرنے والے دیگر افراد کو دھمکانے، اغوا کرنے والوں یا ان پر حملہ کرنے والوں کو انصاف کے کٹہرے میں لانے کی تجویز دی۔ آزادی اظہار کو یقینی بنانے کے لیے آسٹریا نے صحافیوں پر حملوں کی روک تھام، ایسے واقعات کی تفتیش اور حملہ آوروں کو انصاف کے کٹہرے میں لانے کے لیے موثر قانون سازی کی تجویز دی۔

یو پی آر میں شریک پاکستانی وفد نے اپنی کامیابیوں کے ضمن میں انتخابات میں خواتین کی بطور ووٹر اور بطور امیدوار شمولیت کی حوصلہ افزائی کے لیے الیکشن ایکٹ 2017؛ متعلقہ قوانین میں ضروری تبدیلیوں کے لیے افراد باہم معذوری کے حقوق کے کنونشن کے جائزے؛ ٹرانس جینڈر پرسنز (پروٹیکشن آف رائٹس) بل کے سینیٹ میں متعارف کرائے جانے؛ ریپ اور 'غیرت' کے نام پر جرائم کے خلاف نئے قوانین کے نفاذ؛ نظام قانون کو کنونشن برائے حقوق اطفال کے مطابق ڈھالنے کے لیے بچوں کے تحفظ اور قومی کمیشن برائے حقوقِ اطفال کے قیام کے لیے قوانین کی منظوری؛ صحت کے شعبے میں واضح اہداف اور بجٹ کے ساتھ قومی ترجیحات کے تعین کے لیے قومی وژن برائے صحت (2016-2025) کی منظوری، بچوں کو لازمی حفاظتی ٹیکوں کے قانون کے متعارف کرائے جانے کا تذکرہ کیا۔

صوبائی سطح پر اپنی کامیابیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے پاکستانی وفد نے پنجاب پروٹیکشن آف ویمن اگینسٹ وائلنس ایکٹ، سندھ اور بلوچستان میں گھریلو تشدد کے خاتمے کے قوانین، پنجاب فیئر ریپریزنٹیشن آف ویمن ایکٹ، اور پنجاب میرج ریسٹرینٹ (ترمیم شدہ) ایکٹ کا ذکر کیا۔

وفد کے مطابق بین الصوبائی وزارتی گروپ جیسے ادارے ملک بھر میں انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے کام کر رہے ہیں۔ وفد نے سزائے موت کے استعمال کو میثاق برائے شہری وسیاسی حقوق ے مطابق قرار دیا۔ وفد کا کہنا تھا کہ صرف سنگین جرائم کے لیے سزائے موت دی جا رہی ہے اور 18 سال سے کم عمر افراد پر اس سزا کا نفاذ نہیں کیا جا رہا۔ وفد کا یہ بھی کہنا تھا کہ توہین مذہب و رسالت کے قوانین متعصّبانہ نہیں، یہ قوانین تمام مذاہب کا احاطہ کرتے ہیں اور ان کا نفاذ مسلم اور غیرمسلم دونوں پر ہوتا ہے اور ان قوانین کا غلط استعمال روکنے کے لیے متعدد حفاظتی قواعد موجود ہیں۔ آزادی اظہار رائے کے معاملے پر تشویش میں اضافے پر تبصرہ کرتے ہوئے وفد کا کہنا تھا کہ آئین کی شق 19 آزادی اظہار کو تحفظ فراہم کرتی ہے، اور پریس کی آزادی، جوابدہی کے فروغ اور شہریوں کے حقوق کے تحفظ میں کلیدی کردار کے باعث صحافیوں کا تحفظ نہایت اہم ہے۔

وفد کے مطابق بین الصوبائی وزارتی گروپ جیسے ادارے ملک بھر میں انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے کام کر رہے ہیں۔ وفد نے سزائے موت کے استعمال کو میثاق برائے شہری وسیاسی حقوق ے مطابق قرار دیا۔ وفد کا کہنا تھا کہ صرف سنگین جرائم کے لیے سزائے موت دی جا رہی ہے اور **18** سال سے کم عمر افراد پر اس سزا کا نفاذ نہیں کیا جا رہا۔ وفد کا یہ بھی کہنا تھا کہ توہین مذہب ورسالت کے قوانین متعصّبانہ نہیں، یہ قوانین تمام مذاہب کا احاطہ کرتے ہیں اور ان کا نفاذ مسلم اور غیرمسلم دونوں پر ہوتا ہے اور ان قوانین کا غلط استعمال روکنے کے لیے متعدد حفاظتی قواعد موجود ہیں۔ آزادی اظہار رائے کے معاملے پر تشویش میں اضافے پر تبصرہ کرتے ہوئے وفد کا کہنا تھا کہ آئین کی شق **19** آزادی اظہار کو تحفظ فراہم کرتی ہے، اور پریس کی آزادی، جوابدہی کے فروغ اور شہریوں کے حقوق کے تحفظ میں کلیدی کردار کے باعث صحافیوں کا تحفظ نہایت اہم ہے۔

یو پی آر پر ایچ آر سی پی کا ردعمل

دسمبر 2018 میں عالمی علامیہ برائے انسانی حقوق کی سترویں سالگرہ کے موقع پر پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق نے اپنے اعزازی ترجمان اور انسانی حقوق کے تجربہ کار محافظ، جناب آئی اے رحمان کے خطبے کا اہتمام کیا۔ اس تقریب میں طلبہ، وکلاء، انسانی حقوق کے کارکنان اور ذرائع ابلاغ کے نمائندگان سمیت سول سوسائٹی نے بڑے پیمانے پر شرکت کی۔

اس خطبے کا موضوع، 2017 میں ہونے والے تیسرے سلسلہ وار جائزے میں پاکستان کی کارکردگی تھا۔ کونسل برائے انسانی حقوق کی زیرصدارت ہونے والے جائزے میں، تمام رکن ممالک کو اپنے ہاں انسانی حقوق سے متعلق صورت حال اور انسانی حقوق سے متعلق عالمی ذمہ داریوں سے متعلق کیے گئے اقدامات سے آگاہ کرنے کا موقع ملتا ہے۔

ایچ آر سی پی ملک میں انسانی حقوق سے متعلق صورت حال پر دیگر ممالک کی جانب سے دی جانے والی تجاویز میں اضافے پر تشویش کا اظہار کر چکا ہے۔ 2017 کے جائزے میں پاکستان کی جانب سے متعدد تجاویز کی 'حمایت' کمیشن کے لیے حوصلہ افزا پیش رفت ہے، ان تجاویز میں غربت اور عدم مساوات میں کمی؛ جبری گمشدگیوں کو جرم قرار دینا اور جبری گمشدگی اور ماورائے عدالت قتل کی تمام شکایات کی بھرپور تفتیش یقینی بنانے کے لیے قانون سازی؛ ایذارسانی کے مرتکب تمام افراد کو انصاف کے کٹہرے میں لانا؛ تمام افراد کو منصفانہ عدالتی سماعت کا حق فراہم کرنا؛ اور صحافیوں اور میڈیا کارکنان کے خلاف حملے کرنے والوں کو حاصل تحفظ کا خاتمہ شامل تھے۔

تاہم پاکستان نے انسانی حقوق کے متعدد اہم اصولوں سے متعلق سفارشات کی 'حمایت' کی بجائے انہیں 'نوٹ کرنے' پر اکتفا کیا۔ ان سفارشات میں سکیورٹی اہلکاروں کی جانب سے انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں پر کی گئی تفتیش اور مواخذے کی تفصیلات عام کرنا؛ خواتین، بچوں اور لسانی و مذہبی اقلیتوں سمیت مظلوم طبقات کے خلاف متعصّبانہ قوانین میں ترامیم؛ بچوں کے حقوق کا تحفظ خاص کر انسداد دہشت گردی کی کارروائیوں کے دوران؛ نابالغ افراد کو سزائے موت سنانے اور پھانسی دینے اجتناب؛ اور مذہبی اقلیتوں کے خلاف توہین مذہب و رسالت کے قوانین کے غلط استعمال اور تشدد کی روک تھام شامل ہیں۔

ایک بیان میں، ایچ آر سی پی نے ریاست پر زور دیا کہ وہ اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے نظام کے ساتھ تعاون جاری رکھے اور یو پی آر کی ان تمام سفارشات کو اصولاً اور عملاً اختیار کرے جن کی جائزے کے دوران پاکستان نے 'حمایت' کی تھی یا انہیں 'نوٹ کیا' تھا۔ ایچ آر سی پی نے 2022 تک انسانی حقوق کے ریکارڈ میں خاطر خواہ بہتری لانے پر بھی زور دیا۔ لیکن صرف ریاست کا تاثر بہتر کرنے کے لیے نہیں بلکہ اس لیے کہ یہ اصول ریاست کے اخلاقی کردار کا حصہ ہیں، اور انسانی حقوق کے عالمی اعلامیے کے تحت (جس کی توثیق پاکستان کر چکا ہے) شہریوں اور باشندوں کے حقوق کا تحفظ ریاست کی ذمہ داری ہے۔

خطبے کے موقع پر سابق سینیٹر فرحت اللہ بابر نے مطالبہ کیا کہ انسانی حقوق کا ریکارد بہتر بنانے کے لیے عالمی سلسلہ وار جائزے کے دوران دی جانے والے اقوام متحدہ کی سفارشات کو پارلیمان کے سامنے پیش کیا جائے۔ انہوں نے ملک میں انسانی حقوق کی خراب ہوتی صورت حال کی نشاندہی کی، جہاں جبری گمشدگیاں کسی بھی سزا کے خوف کے بغیر جاری ہیں، گوانتانامو جیسے حراستی مراکز موجود ہیں، انسانی حقوق کے محافظین کے خلاف خطرات بڑھ رہے ہیں، نقل وحمل کی آزادی محدود ہے، سنسرشپ نافذ ہے، اور مہاجرین کے حقوق کے تحفظ کے لیے کسی قسم کی قانون سازی نہیں کی گئی۔

اقوام متحدہ کا کونسل برائے انسانی حقوق کے لیے انتخاب

اکتوبر 2017 میں، پاکستان جنوری 2018 سے دسمبر 2020 تک اقوام متحدہ کی کونسل برائے انسانی حقوق کا رکن منتخب ہوا۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے 15 ریاستوں کو تین سال کے لیے اقوام متحدہ کی کونسل برائے انسانی حقوق کا رکن منتخب کیا۔ ایشیا پیسفک خطے سے پانچ امیدواروں میں سے نیپال، قطر، افغانستان اور پاکستان کا انتخاب کیا گیا۔

اقوام متحدہ کی قرارداد 60/251 کے مطابق 'کونسل کے منتخب اراکین انسانی حقوق کے فروغ اور تحفظ کے اعلیٰ ترین معیارات پر عملدرآمد' کریں گے۔ قرار داد کے مطابق 'کونسل کے اراکین کے انتخاب کے وقت، انسانی حقوق کے فروغ اور تحفظ کے لیے امیدواران کی کوششوں اور رضاکارانہ بنیادوں پر کیے گئے وعدوں کو بھی مدنظر رکھا جائے'۔

پاکستان نے کونسل برائے انسانی حقوق کے لیے اپنے انتخابی وعدے میں اس امر کی توثیق کی کہ پاکستان 'تمام انسانوں کے لیے عالمگیر انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کی تائید، فروغ اور تحفظ کا پختہ عزم رکھتا ہے'۔ تاہم انسانی حقوق کی عالمی تنظیموں کے مطابق یہ وعدہ پاکستان کو درپیش انسانی حقوق کے متعدد سنگین مسائل کا احاطہ نہیں کرتا۔ ان مسائل میں جبری گمشدگیاں، سزائے موت کا استعمال، توہین مذہب و رسالت کے قوانین، فوجی عدالتوں کا استعمال، حقوق نسواں بشمول تعلیم کا حق، اور انسانی حقوق کے محافظین، وکلاء اور صحافیوں کو درپیش خطرات شامل ہیں۔

پاکستان نے کونسل برائے انسانی حقوق کے لیے اپنے انتخابی وعدے میں اس امر کی توثیق کی کہ پاکستان 'تمام انسانوں کے لیے عالمگیر انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کی تائید، فروغ اور تحفظ کا پختہ عزم رکھتا ہے'۔ تاہم انسانی حقوق کی عالمی تنظیموں کے مطابق یہ وعدہ پاکستان کو درپیش انسانی حقوق کے متعدد سنگین مسائل کا احاطہ نہیں کرتا۔ ان مسائل میں جبری گمشدگیاں، سزائے موت کا استعمال، توہین مذہب و رسالت کے قوانین، فوجی عدالتوں کا استعمال، حقوق نسواں بشمول تعلیم کا حق، اور انسانی حقوق کے محافظین، وکلاء اور صحافیوں کو درپیش خطرات شامل ہیں۔

اقوام متحدہ کے خصوصی مندوبین سے تعاون

2012 سے اب تک پاکستان اقوام متحدہ کے ججوں اور وکلاء کی آزادی کے خصوصی مندوب اور اقوام متحدہ کے ورکنگ گروپ برائے جبری گمشدگی کی جانب سے ملک کا دورہ کرنے کی درخواستوں کو قبول کرتا آیا ہے۔ تاہم دیگر امور کے مندوبین کی جانب سے دی گئی درخواستیں زیر التواء ہیں۔ ان مندوبین میں ماورائے عدالت قتل (2000 سے زیر التواء)؛



انسانی حقوق کے محافظین کی صورت حال (2003 سے زیر التوا)؛ انسداد دہشت گردی کی کارروائیوں کے دوران انسانی حقوق کے فروغ اور تحفظ (2006 سے زیر التواء)؛ مذہب اور عقیدے کی آزادی (2006 سے زیر التواء) اور ایذا رسانی اور ظالمانہ، غیر انسانی اور تذلیل آمیز سلوک اور سزاؤں (2010 سے زیر التواء) کے امور پر کام کرنے والے مندوبین کی درخواستیں شامل ہیں۔

عالمی ادارہ برائے محنت (آئی ایل او)

آئی ایل او اقوام متحدہ کا واحد سہ فریقی ادارہ ہے۔ مشقت اور محنت کے معیار طے کرنے، پالیسی سازی اور مردوزن کے لیے مہذب روزگار کے پروگرام وضع کرنے کے لیے یہ ادارہ اقوام متحدہ کے 187 رکن ممالک کی حکومتوں، آجرین اور کارکنوں کے ساتھ مل کر کام کرتا ہے۔

حکومت پاکستان نے آئی ایل او کے 189 کنونشنوں میں سے 8 مرکزی میثاق سمیت صرف 36 کی توثیق کی ہے، جن میں سے 31 اب بھی نافذ العمل ہیں۔ یہ آٹھ بنیادی میثاق: جبری مشقت، یونین سازی کے حق، اجتماعی سودا کاری، مساوی اجرت، جبری مشقت کے خاتمے؛ ملازمت اور پیشے کے انتخاب میں امتیازی سلوک، عمر کی کم سے کم حد، بچوں سے مشقت کی بدترین صورتوں کا احاطہ کرتے ہیں۔

پاکستان نے کبھی بھی ان بنیادی کنونشنز کا مکمل اطلاق نہیں کیا۔ قوانین کی موجودگی کے باوجود، قوانین کی منظوری اور ان کے اطلاق میں وسیع خلیج موجود ہے۔ ان میثاقات اور تجاویز کے اطلاق کے لیے بنائی گئی آئی ایل او کے ماہرین کی کمیٹی 2016 سے 2018 کے دوران متعدد مرتبہ اس امید کا اظہار کر چکی ہے کہ پاکستانی حکومت ان معاہدات کے تحت اپنی کارگزاری رپورٹ، سفارشات اور پروٹوکول متعلقہ اداروں کو جمع کرانے کی اپنی ذمہ داری پوری کرے گی، اور اس ضمن میں آئی ایل او کو آگاہ کرے گی۔

پاکستان نے سی 144۔ سہ فریقی کنسلٹیشن (انٹرنیشنل لیبر سٹینڈرڈز) کنونشن 1976 کی توثیق 1994 میں کی تھی۔

18ویں ترمیم کے بعد محنت کا محکمہ صوبوں کے پاس آ گیا ہے۔ محنت مزدوری سے متعلق صوبائی قوانین کی منظوری کا عمل سست روی کا شکار ہے، سوائے صوبہ سندھ کے جہاں متعدد لیبر قوانین منظور کیے جا چکے ہیں۔ 2017 کے اختتام پر سندھ نے اپنی مشاورتی نشست منعقد کی اور 14 قوانین کی منظوری دی، جس کے بعد نئے قواعد کی تیاری کا عمل شروع ہوا۔ 2018 میں سندھ نے آئی ایل او کے تکنیکی اور مالی تعاون سے دوسری مشاورتی نشست منعقد کی۔ یہ نشست آئی ایل او کے انٹرنیشنل لیبر اینڈ انوائرمینٹل سٹینڈرڈز پراجیکٹ کے تحت منعقد کی گئی۔ آئی ایل او کا یہ پراجیکٹ یورپی یونین اور جرمنی کے فنڈز سے چلنے والے لیبر سٹینڈرڈز ان گلوبل سپلائی چین پراجیکٹ کی امداد کے ذریعے چلایا جا رہا ہے۔ اس نشست کے نتیجے میں پانچ لیبر قوانین کے لیے ضوابط کا تشکیل دیے گئے۔ ان قوانین میں سندھ انڈسٹریل ریلیشنز ایکٹ 2013، سندھ بانڈڈ لیبر (امتناعی) ایکٹ 2015، سندھ میں جبری مشقت کے خاتمے کا قانون 2017، سندھ ٹرمز آف ایمپلائمنٹ ایکٹ (سٹینڈنگ آرڈر) 2015، اور سندھ ورکرز کمپنسیشن ایکٹ 2015 شامل ہیں۔ دیگر صوبے تا حال سہ فریقی کنسلٹیشن پر عملدرآمد سے قاصر ہیں۔

پاکستان نے تا حال جن اہم کنوینشنز کی توثیق نہیں کی ان میں آلودگی سے پاک ماحول؛ تعمیراتی کام، زراعت اور کانوں میں صحت و حفاظت، ؛ گھریلو ملازمین؛ بڑے صنعتی حادثوں سے بچاؤ؛ اور کم سے کم اجرت کے کنونشن شامل ہیں۔ پاکستان میں ہونے والے بڑے صنعتی حادثے خاص کر معدنی کانوں میں ہونے والے پے در پے حادثے قانون سازی کی فوری ضرورت کی نشاندہی کرتے ہیں۔

جی ایس پی پلس

ترجیحات کا عمومی نظام (جی ایس پی پلس) یورپی یونین کا وضع کردہ نظام ہے جس کے تحت خطرات کے شکار اور ترقی پذیر ممالک کو کم یا بغیر محصولات کے برآمدات کی سہولت دیتا ہے۔ یورپی منڈیوں تک رسائی کے ذریعے یہ نظام ان ممالک کی ترقی میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ پاکستان نے جی ایس پی پلس درجے کے لیے باضابطہ درخواست دی تھی اور مارچ 2018 میں اسے یہ درجہ حاصل ہو گیا تھا۔ اس سے قبل یورپی پارلیمان نے 780 میں سے 406 ووٹوں کے ذریعے پاکستان کو جی ایس پی پلس درجہ دیا تھا۔

جی ایس پی پلس درجہ انسانی حقوق، لیبر، ماحولیات اور نظم حکومت سے متعلق 27 مرکزی کنونشنوں پر عملدرآمد سے مشروط ہے۔

جنوری 2018 میں یورپی یونین نے پاکستان کی کارکردگی جائزہ جاری کیا، یہ جائزہ 2016 سے 2017 تک کے دورانیے پر مشتمل تھا۔

> یورپی یونین نے وفاقی اور صوبائی سطح پر بین الاقوامی معاہدوں کے اطلاق کے لیے خصوصی سیل بنانے کو ایک مثبت پیش رفت قرار دیا ہے۔ یورپی یونین کی رپورٹ میں جن دیگر امور کو مثبت قرار دیا گیا ہے ان میں قومی کمیشن برائے انسانی حقوق کا قیام بھی شامل ہے، کمیشن **2015** میں قائم کیا گیا تھا۔ اپنے قیام کے دو برس کے دوران کمیشن نے فعال کردار ادا کرتے ہوئے متنازع موضوعات سمیت کئی مسائل پر اہم رپورٹس اور سفارشات دی ہیں۔ تاہم یورپی یونین کے مطابق کمیشن انتظامی اور معاشی طور پر خود مختار نہیں ہے، جو پیرس اصولوں کے منافی ہے۔ این سی ایچ آر کو بین الاقوامی معاہدوں سے متعلق اقوام متحدہ کی بعض کمیٹیوں کے سامنے پیش ہونے کی اجازت نہیں دی گئی۔ پاکستان میں انسانی حقوق کے فروغ میں خواتین کے مقام اور مرتبے سے متعلق قومی اور صوبائی کمیشنوں نے بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔ بچوں کی فلاح و بہبود کا قومی کمیشن بھی قائم کر دیا گیا ہے۔

یورپین یونین نے انسانی حقوق کی تائید اور فروغ کے سلسلے میں ہونے والی بعض پیش رفتوں اور حکومتی کاوشوں کی نشاندہی کی ہے، جن میں قومی ایکشن پلان برائے انسانی حقوق شامل ہے۔ یہ اپنی نوعیت کا پاکستان کا پہلا منصوبہ ہے جس کی منظوری اس وقت کے وزیراعظم نے 2016 میں دی تھی۔ ای یو نے اس منصوبے کو کسی قدر عامیانہ قرار دیتے ہوئے اس میں موجود بعض اہم ترجیحات اور اقدامات کا ذکر کیا ہے۔ یورپی یونین نے اس منصوبے سے متعلق عوام کو آگاہی دینے کے لیے رپورٹنگ کی کمی پر تشویش کا اظہار کیا ہے، جس کے باعث اس منصوبے میں شامل ترجیحات اور اقدامات پر عملدرآمد سے متعلق ابہام پایا جاتا ہے۔

یورپی یونین نے وفاقی اور صوبائی سطح پر بین الاقوامی معاہدوں کے اطلاق کے لیے خصوصی سیل بنانے کو ایک مثبت پیش رفت قرار دیا ہے۔ یورپی یونین کی رپورٹ میں جن دیگر امور کو مثبت قرار دیا گیا ہے ان میں قومی کمیشن برائے انسانی حقوق کا قیام بھی شامل ہے، کمیشن 2015 میں قائم کیا گیا تھا۔ اپنے قیام کے دو برس کے دوران کمیشن نے فعال کردار ادا کرتے ہوئے متنازع موضوعات سمیت کئی مسائل پر اہم رپورٹس اور سفارشات دی ہیں۔ تاہم یورپی یونین کے مطابق کمیشن انتظامی اور معاشی طور پر خود مختار نہیں ہے، جو پیرس اصولوں کے منافی ہے۔ این سی ایچ آر کو بین الاقوامی معاہدوں سے متعلق اقوام متحدہ کی بعض کمیٹیوں کے سامنے پیش ہونے کی اجازت نہیں دی گئی۔ پاکستان میں انسانی حقوق کے فروغ میں خواتین کے مقام اور مرتبے سے متعلق قومی اور صوبائی کمیشنوں نے بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔ بچوں کی فلاح و بہبود کا قومی کمیشن بھی قائم کر دیا گیا ہے۔

درج بالا مثبت اقدامات کے ساتھ ساتھ یورپی یونین نے پاکستان کو درپیش انسانی حقوق کے متعدد ایسے مسائل کا ذکر کیا ہے جہاں صورت حال یا تو جوں کی توں ہے یا پہلے سے بھی مخدوش ہو چکی ہے۔ مثلاً جبری گمشدگیوں اور ماورائے عدالت قتل جیسے دیرینہ مسائل کے حل کے لیے اقدامات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اسی طرح حکومت نے ایذارسانی کے بڑے پیمانے پر عام استعمال کی روک تھام سے متعلق کسی قسم کے موثر اقدامات نہیں کیے۔ یورپی یونین کے مطابق سزائے موت سنانے اور پھانسیاں دینے کا عمل تشویش ناک ہے۔ یورپی یونین کے مطابق سزائے موت کے حامل جرائم پر نظرثانی درست سمت میں ایک مثبت قدم ہے۔

یورپی یونین کی جانب سے مذہبی اور لسانی اقلیتوں کو درپیش مشکل حالات پر بھی تشویش کا اظہار کیا گیا۔ یورپی یونین نے آزادی اظہار رائے، انجمن سازی کی آزادی، انسانی حقوق کے محافظین اور سول سوسائٹی کے اراکین، اور سول سوسائٹی کے لیے کم ہوتی جگہ پر بھی تحفظات کا اظہار کیا۔ یورپی یونین نے اس عرصے کے دوران پاکستان میں انسانی حقوق کی صورت حال اور کارکردگی پر ملے جلے تاثرات کا اظہار کیا، اور بعض شعبوں میں اس کی وجہ حکومت کو درپیش مسائل بشمول سکیورٹی حالات اور اہلیت اور وسائل کی کمی کو قرار دیا۔ تاہم ان مسائل کے حل کے لیے یورپی یونین نے پاکستانی حکومت پر زور دیا کہ وہ اس سلسلے میں قوانین کے نفاذ کے لیے زیادہ فعال، دیرپا اور موثر کردار ادا کرے۔ یورپی یونین نے اقوام متحدہ کی ٹریٹی باڈیز کی سفارشات پر عملدرآمد، خامیوں اور کوتاہیوں کو دور کرنے اور متعلقہ بین الاقوامی معاہدات کے تحت عائد ہونے والی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی بھی تلقین کی۔

(ایچ آر سی پی کی سالانہ رپورٹ '2018 میں انسانی حقوق کی صورتحال' سے اقتباس)

انتہا پسندی کی جڑیں

آئی۔اے۔رحمان

مذہبی انتہا پسندی کے حامیوں کے تعداد اچھی خاصی ہے جو مذہبی انتہا پسندی پر تنقید سے متاثر نہیں ہوتے اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ انتہا پسندی کی واحد شکل نہیں ہے۔ یہ نکتہ درست ہے اگر چہ ایمان اور عقائد پر مبنی عدم برداشت کو الگ رکھ کر بھی سمجھنے کی کوشش کرنے پر کوئی پابندی نہیں ہے۔لیکن ایک مختصر جائزہ یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ انتہا پسندی کی مختلف شکلوں کی جڑیں ایک ہی ہیں۔ پاکستان کے ماحول کو سامنے رکھتے ہوئے شدت پسندی کی ایک تعریف یہ کی جا سکتی ہے کہ یہ دوسرے لوگوں کے طبقات، مذہب، کلچر، روایات کے خلاف کبھی نہ ختم ہونے والی نفرت، اقلیتی برادریوں اور خواتین کے حقوق کی مخالفت، انہیں بزور طاقت اور تشدد اور کبھی کبھار دہشت گرد حملوں کے ذریعے جھکنے پر مجبور کرنے کا نام ہے۔ پاکستان میں شدت پسندی کا شکار ہونے والوں میں سب سے زیادہ تعداد خواتین کی ہے۔محکمہ شماریات اور پنجاب کمیشن آن دی سٹیٹس آف ویمن کے تعاون سے یونائیٹڈ نیشنز پاپولیشن فنڈ کے سروے کی ایک حالیہ رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ پنجاب میں عورتوں کی ایک تہائی تعداد جن کی عمر 15 سے 64 سال تک ہے تشدد کا نشانہ بنی ہے۔ ملک کے دوسرے حصوں میں بھی کم وبیش یہی صورتحال ہے۔

تقریباً ہر روز، میڈیا کسی خاتون کے جلائے جانے یا مارے جانے کی رپورٹ دیتا ہے۔ مرد کی عزت کی خاطر عورتوں کو مارنے کی روایت ایسے علاقوں تک پھیل گئی ہے جہاں کسی کو ان چیزوں کا علم بھی نہیں تھا۔عورتوں پر اپنی پسند کی شادی، جہیز کے مطالبات پورے کرنے میں ناکام ہونے پر اور نامناسب لباس پہن کر باہر جانے اور ہیئر سٹائل بنانے جیسے عجیب وغریب بہانے بنا کر حملے کیے جاتے ہیں۔ایسے علاقے بھی ہیں جہاں بچیوں کو سکول جانے کی اجازت نہیں دی جاتی۔مزدور خاندانوں، زراعت میں یا اینٹ کی بھٹیوں یا دوسرے مختلف شعبوں میں کام کرنے والے خاندانوں کی عورتوں اور بچیوں پر کئی طرح کی زیادتیاں کی جاتی ہیں۔ان کی مزدوری کا استحصال کیا جاتا ہے، انہیں کہیں جانے کی آزادی نہیں دی جاتی، وہ متبادل ملازمت حاصل نہیں کر سکتیں،اور انہیں اغوا اور جنسی زیادتیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

مسلمان خواتین کی نسبت غیر مسلم عورتوں اور بچیوں کو زیادہ تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے، اور جو شہری اب ریاست کی طرف شیڈول کاسٹ ذاتوں کے طور پر شناخت کیے جاتے ہیں، وہ اعلیٰ ذات کے ہندوؤں اور دیگر غیر مسلم گروہوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ تشدد کا شکار بنتے ہیں۔

اوپر بیان کیے گئے درجے کے علاوہ ایک اور بڑا گروہ انتہا پسندی کے تشدد سے متاثر ہوتا ہے۔سٹریٹ چلڈرن کی ایک بڑی تعداد معاشی استحصال اور جسمانی اور جنسی زیادتی کا شکار ہوتی ہے۔گھریلو ملازمین کی تعداد جس مختلف اقسام کی زیادتیوں کا نشانہ بنتے ہیں کچھ عرصے سے بڑھ رہی ہے۔ ریاست سکولوں میں جسمانی سزا کو ختم کرنے میں ناکام رہی ہے۔ایک دن ایک چھوٹی بچی چھت سے گرنے (یا کودنے) کے بعد مرگئی۔ وہ سکول سے چھٹکارا چاہتی تھی جہاں اسے پڑھائی میں پیچھے رہنے کی وجہ سے بے رحمی سے مارا جاتا تھا۔

> گھریلو ملازمین کی تعداد جس مختلف اقسام کی زیادتیوں کا نشانہ بنتے ہیں کچھ عرصے سے بڑھ رہی ہے۔

اس کی ماں نے اس کی قابل رحم حالت میں اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے ایک اندھیرے کمرے میں پھینک کر اس کی اذیت میں اضافہ کیا۔

زبردستی اغوا انتہا پسندی کی بدترین شکلوں میں سے ایک ہے۔اب ہمیں مذہب پر مبنی انتہا پسندی کے معاملے پر ایک نظر دوڑانی چاہیے۔ ہزارہ کے شیعوں کو ان کے عقائد کی وجہ سے کاٹ دیا گیا۔ کئی نفرت کے مبلغ کھلے عام قتل وغارت کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔احمدی لگا تار ٹارگٹ کلنگ کا شکار ہوتے ہیں۔اقلیت مخالف لوگ مذہب کی توہین کے واقعات کا فیصلہ عدالت میں ہونے دینے کے حامی نہیں ہیں۔ وہ گلیوں اور تھانوں کے اندر ہی ملزم کو قتل کردینا چاہتے ہیں۔اگر توہین مذہب کا کوئی ملزم بری بھی ہو جائے تو اسے بھی ملک میں کہیں رہنے کی جگہ نہیں ملتی۔

اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ غیر مسلموں کو ان کی عبادت گاہوں میں اور مسلمانوں کو مساجد اور سکولوں میں مذہب کے نام پر قتل کر دیا جاتا ہے۔حتیٰ کہ انتہا پسندوں کے تشدد کے شواہد کا ایک سرسری مطالعہ اس حقیقت کو سامنے لائے گا کہ شدت پسندی مذہب سے تعلق نہ رکھنے والے معاملات میں بھی بہت زیادہ شدت سے موجود ہے جیسا کہ مزدوروں کا استحصال، آوارہ بچوں پر تشدد اور ان کا استحصال، سکولوں اور مدرسوں میں بچوں پر جسمانی سزا کے ضمن میں انتہائی درجہ کا ٹارچر جیسے واقعات پاکستان میں آئے روز ہوتے ہیں۔

عورتوں کے خلاف تشدد کے اسباب میں پدرانہ معاشرہ، جاگیردارانہ کلچر، خواتین کے خلاف نفرت آمیز رویہ کے علاوہ مذہبی تعلیمات کی غلط تشریح بھی شامل ہے۔ جہاں تک انتہا پسندوں اور باغیوں کے مذہب کے نام پر دہشت گردی کے بیانیے کا تعلق ہے، ایک بین الاقوامی سطح پر شہرت رکھنے والے سکالر، کونسل آف اسلامک آئیڈیالوجی کے سابق چیئرمین اور شریعت اپیلیٹ کورٹ کے موجودہ جج ڈاکٹر خالد مسعود کے مطابق مذہب کی غلط تشریح پر مبنی ہے۔ بدقسمتی سے شدت پسندی کی تمام شکلوں کی جڑیں ریاست کی کوتاہیوں اور غلطیوں سے جڑی ہیں۔ اگر پدرانہ نظام، خواتین سے نفرت اور جاگیردارانہ نظام کی وجہ سے خواتین کی مشکلات میں اضافہ ہوا ہے تو اس کی ذمہ دار ریاست ہے جس نے پاکستان معاشرے کو ایسی اقداری الجھنوں سے پاک نہیں کیا جو جمہوری نظام اور کلچر کی مضبوطی کے راستے کی رکاوٹ ہیں۔اگر سکول اور مدرسہ میں بچے ٹیچرز کے بھیس میں چھپے درندوں کے رحم وکرم پر ہیں اور اگر بڑے تعلیمی اداروں کے لوگ مشال خان جیسے طلبا اور خالد حمید جیسے استاد کو قتل کر سکتے ہیں تو کیا ریاست ان معاملات سے لاتعلق رہ کر قائم رہ سکتی ہے؟

مزدور، ان کے گھر کی خواتین اور بچے پریشانی کا شکار رہتے ہیں کیونکہ ان پر ظلم ڈھالنے والے اپنے سیاسی مقاصد کی تکمیل میں پھنسے رہتے ہیں۔کیا ریاست نے متعلقہ آئی ایل او کنونشن پر دستخط کرنے کے باوجود چائلڈ لیبر کے خاتمہ کے لیے کوئی اقدامات کیے؟ کیا ریاست نے جبری گمشدگیوں جو کہ شدت پسندی کی بدترین شکل ہے، کو نظر انداز کرنے کی روش ختم کی؟ جہاں تک مذہب کے نام پر شدت پسندی کا تعلق ہے، ریاست کو غفلت اور مجرمانہ کوتاہی دونوں لحاظ سے سخت سبکی کا سامنا رہا ہے۔ایک طرف تو اس نے لوگوں کو اپنے عقائد کی صحیح ترجمانی سے واقف کرنے کے لیے کوئی اہم قدم نہیں اٹھایا تو دوسری طرف یہ انہی مذہبی جماعتوں کے قریب ہے جو جمہوریت، انسانی حقوق اور پلورلزم کے سخت خلاف ہیں۔پچھلی تمام حکومتوں نے مذہبی لابی کو خوش کرنے کے لیے لوگوں کو تقسیم کیا۔اب وقت ہے کہ حالیہ حکومت خود سے پوچھے کہ اس نے پچھلی حکومتوں کے مقابلے میں مذہبی شدت پسندی سے نمٹنے کے لیے کس حد تک کردار ادا کیا ہے کیونکہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس نے صدیوں سے اسلام اور مسلمانوں کو بے انتہا نقصان پہنچایا ہے۔

(انگریزی سے ترجمہ بشکریہ ڈان)

کتاب اور دنیا برتنے کا فن

غازی صلاح الدین

امریکی سیاست دان نیوٹ گنگرچ جب 1994ء میں ایوانِ نمائندگان کے اسپیکر منتخب ہوئے تو انہوں نے اپنی ری پبلکن پارٹی کے ارکان کیلئے سات کتابوں کی ایک فہرست مرتب کی اور ہدایت کی کہ جب ارکان اجلاس میں شرکت کیلئے آئیں تو یہ تمام کتابیں پڑھ کر آئیں۔ ان سات کتابوں میں امریکہ کی تاریخ اور معاشرے کے علاوہ افسانوی ادب کے دو شاہکار بھی شامل تھے۔ دونوں سے آپ شاید واقف ہوں۔ ایک تو ''گون ود داونڈ'' کہ جس پر بنی 1939 کی ہالی وڈ فلم نے سینما کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا اور دوسرا ناول وہ جس کا ذکر ہماری حالیہ سیاسی تاریخ میں کیا جا چکا ہے۔ میں ''گاڈ فادر'' کی بات کر رہا ہوں۔ موجودہ چیف جسٹس جناب آصف سعید کھوسہ نے نواز شریف سے متعلق اپنے ایک فیصلے میں ''گاڈ فادر'' میں شامل ایک مقولے کا حوالہ دیا تھا۔ نکتہ کچھ یہ تھا کہ ہر بڑی جائیداد یا دولت کے پردے میں کوئی جرم چھپا ہوتا ہے۔ ''گاڈ فادر'' اور سسلی کے مافیا کی ایک اور بازگشت بھی اعلیٰ عدالت میں سنی گئی تھی۔ جسٹس کھوسہ کا مزید ذکر ابھی آئے گا۔ یہاں میں صرف اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہوں کہ ان سیاست دانوں کیلئے جن پر قانون سازی کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کیوں یہ بہت ضروری ہے کہ وہ تاریخ اور ادب اور دوسرے علوم سے خاطر خواہ حد تک واقف ہوں۔ میرا خیال ہے کہ یہ صلاحیت صرف سیاست دانوں کیلئے ہی نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں قائدانہ کردار ادا کرنے والے افراد کیلئے بھی لازمی ہے۔ بل گیٹس ہر سال ان کتابوں کی ایک فہرست مرتب کرتے ہیں جنہیں انکے خیال میں سب کو پڑھنا چاہئے۔

اس تناظر میں اگر ہم اپنی پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں کے ارکان کی اجتماعی علمی اور فکری استعداد کا جائزہ لیں تو پتا نہیں کیسی تصویر بنے گی۔ جب میں ''جیو کتاب'' کا پروگرام کر رہا تھا تو نیوٹ گنگرچ کو یاد کر کے میں نے سوچا کہ کراچی یونیورسٹی کے تمام اساتذہ کے مشورے سے میں بھی ایسی سات کتابوں کی فہرست بناؤں کہ جنہیں ہمارے منتخب سیاست دان ضرور پڑھیں۔ یہ منصوبہ کئی وجوہات کے سبب مکمل نہ ہو سکا، ایک دوست نے تو یہ چٹکی بھی لی کہ کیا تمہیں یقین ہے کہ ہر استاد نے ایسی سات کتابیں خود بھی پڑھ رکھی ہوں گی۔ پھر بھی، میرا جی چاہتا ہے کہ اس تجویز پر عمل کیا جائے کیونکہ ایوانوں میں اور ٹیلی وژن کے ٹاک شوز میں جس قسم کی گفتگو کی جاتی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سیاست دانوں میں سے کئی شاید کتابوں سے مسلسل پرہیز کرتے ہیں۔ لیکن وہی بات، بعض دانشور جوان کے ساتھ بیٹھے ہوتے ہیں ان کی گفتگو سن کر بھی کسی کے علم اور معلومات میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ مطلب یہ کہ ہمارے معاشرے میں مطالعے کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے۔ اس اخبار میں اپنے ابتدائی کالموں میں سے ایک میں مَیں نے یہ سوال اٹھایا تھا کہ اگر ہم کسی امیر علاقے کے ہر دروازے یعنی گیٹ پر گھنٹی بجا کر یہ پوچھیں کہ کیا آپ کے گھر میں ''دیوانِ غالب'' ہے تو کیا نتیجہ نکلے گا؟ جہاں تک اس مشورے کا تعلق ہے کہ کس کو کون سی کتاب پڑھنی چاہئے تو میں بتاؤں کہ ''نیو یارک ٹائمز'' میں ہر ہفتے کسی ادیب یا دانشور کا جو انٹرویو شائع ہوتا ہے کتابوں کے بارے میں تو اس میں اب یہ سوال شامل ہوتا ہے کہ کسی ایک ایسی کتاب کا نام بتائیں جو آپ کے خیال میں صدر ٹرمپ کو ضرور پڑھنی چاہئے۔ اس بات کا امریکیوں کو بہت دکھ ہے کہ ان کا

بل گیٹس ہر سال ان کتابوں کی ایک فہرست مرتب کرتے ہیں جنہیں انکے خیال میں سب کو پڑھنا چاہئے۔

موجودہ صدر کتابیں نہیں پڑھتا۔ اس مرحلے پر مجھے خود کو ذوالفقار علی بھٹو کے ذکر سے روکنا پڑے گا کیونکہ کتابوں سے ان کے عشق کی کہانی طویل ہے۔ ابھی جمعرات کو ہم نے بھٹو کی چالیسویں برسی منائی اور سارے منظر پر آصف زرداری اور بلاول بھٹو زرداری چھائے رہے۔ اچھا، اب میں آپ کو یہ بتاؤں کہ میں نے اس ہفتے اس موضوع کا انتخاب کیوں کیا ہے اور سیاسی گرما گرمی اور معیشت کی ابتری سے پیدا ہونے والی چپقلش کو چھوڑ کر کتابوں کی بات کیوں کر رہا ہوں اور ہاں، جسٹس کھوسہ کا نام بھی میرے اس بیان میں شامل ہے، ہوا یہ کہ گزرے ہوئے اتوار کے دن میں نے اخبار میں جسٹس کھوسہ کی ایک تقریر کی خبر پڑھی جو انہوں نے لاہور کے ایک لاء کالج میں کی تھی۔ انہوں نے قانون کے طالبعلموں سے کہا کہ ایک اچھے وکیل کے لئے یہ ضروری ہے کہ اسے تاریخ، ریاضی اور ادب پر عبور حاصل ہو۔ اور اس طرح وہ ایک ہمہ گیر شخصیت بن سکے۔ جسٹس کھوسہ نے کہا کہ یہ دکھ کی بات ہے کہ ہمارے ملک میں آج کل ہر سماجی، اقتصادی اور سیاسی مسئلہ بالآخر عدالت کے سامنے رکھ دیا جاتا ہے۔ گویا ایک وکیل کے علم اور اس کی سمجھ کے دائرے کو کافی وسیع ہونا چاہئے۔ یہاں بھی اس مشق کی گنجائش رہے کہ ایک وکیل کے مطالعے کیلئے آپ کن کتابوں کا انتخاب کریں گے۔ جسٹس کھوسہ نے وکیلوں کے نصاب میں ادب کو جو شامل کیا ہے کہ اس کے بارے میں بہت کچھ کہہ سکتا ہوں۔ میں نوجوانوں سے اپنی گفتگو میں ہمیشہ یہ کہتا ہوں کہ افسانوی ادب اور شاعری کے بغیر ہم ادھورے ہیں۔ ہمارا پیشہ یا کاروبار کچھ بھی ہو، ہمیں خود کو اور اس دنیا کو سمجھنے کیلئے افسانوی ادب کے سہارے کی حاجت ہے۔ میں نوجوانوں سے کہتا ہوں کہ اگر شاعری نہیں پڑھو گے تو عشق کرنے کے آداب کیسے سیکھو گے۔ کتابوں کے ذکر کا دوسرا حوالہ میرے پاس یہ ہے کہ 2 اپریل کو بچوں کے ادب کا عالمی دن منایا گیا۔ بچوں کی پرورش میں جتنی والدین کے پیار کی اہمیت ہے، اتنی ہی ان کہانیوں کی ہے جو وہ سنتے اور پڑھتے ہیں۔ میں تو یہ کہوں گا کہ کسی بھی بڑی قوم کی تخلیق ان خوابوں کی کاشت سے ہوتی ہے جو اس کے بچے دیکھتے ہیں۔ مشکل یہ ہے کہ اس موضوع کے ساتھ بھی یہاں انصاف نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں! ایک مثال مجھے یاد آتی ہے۔ امریکہ کی لائبریری آف کانگریس نے کتابوں کی ایک فہرست بنائی جنہوں نے ملک کی تشکیل کی، اس کے خدوخال متعین کئے۔ سادہ لفظوں میں، وہ کتابیں جنہوں نے امریکہ کو امریکہ بنایا۔ اس فہرست میں 88 کتابیں شامل تھیں اور ان کی ایک خصوصی نمائش بھی منعقد کی گئی۔ یہ ایک انتہائی دلچسپ اور بصیرت افروز فہرست ہے۔ ظاہر ہے کہ اس میں افسانوی ادب بھی نمایاں ہے کہ جو کسی بھی معاشرے کی ذہنی اور جذباتی تربیت میں ایک اہم کردار ادا کرتا ہے۔ فی الحال میں صرف بچوں کی کتاب کا ذکر کر رہا ہوں۔ جی ہاں، ان کتابوں کی فہرست میں کہ جنہوں نے امریکہ کی تشکیل کی، بچوں کے لئے لکھی گئی کہانیوں کی ایک کتاب بھی شامل ہے۔ اس کتاب کا نام ہے ''گڈ نائٹ مون''۔ آپ اسے ''شب بخیر چندا ماما'' کہہ لیں۔ یہ کتاب 1947 میں لکھی گئی اور بہت مقبول ہوئی۔ والدین بچوں کو سلاتے وقت اسے پڑھ کر سناتے ہیں۔ اسی قسم کا کام ہماری دادیاں اور نانیاں بھی کیا کرتی تھیں لیکن اب نہ صرف ہمارے بچوں بلکہ ہماری قوم کو کس طرح پالا جا رہا ہے، یہ ایک دوسری کہانی ہے۔

(بشکریہ جنگ)

دنیا میں آزادی صحافت کو حکومتوں سے سنگین خطرات کا سامنا

کراچی دنیا بھر میں حکومتوں کی جانب سے نئے قوانین متعارف کروا کر صحافت کی آزادی کو محدود کرنے کی کوششوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔ڈان اخبار کی رپورٹ کے مطابق انٹرنیشنل پریس فریڈم (آئی پی آئی) کا کہنا تھا کہ گزشتہ سال مئی کے مہینے سے اب تک 55 صحافیوں کو بھی قتل کیا جا چکا ہے۔عالمی یومِ آزادی صحافت کے موقع پر ویانا سے تعلق رکھنے والی عالمی مدیران اور صحافیوں کی عالمی تنظیم کی ایگزیکٹو ڈائریکٹر باربرا ٹراؤنفائی نے ایک بیان جاری کرتے ہوئے کہا کہ دنیا بھر میں آزادانہ صحافت سخت ترین دباؤ کا شکار ہے۔ان کے مطابق تنگ نظر حکومتیں تنقیدی آوازوں کو دبانے اور بہت سے کیسز میں جان بوجھ کر آزاد ذرائع ابلاغ کی ساکھ کو تباہ کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ان کا کہنا تھا کہ ہمیں آزادی صحافت پر حملہ کرنے کے آزمائے ہوئے حربے دیکھنے کو مل رہے ہیں جس میں جیل بھیجنا اور جسمانی تشدد بھی شامل ہیں، جس کا اختتام معافی مانگنے پر ہوتا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ ایسی منظم مہمات کی نئی لہر بھی سامنے آئی ہے جس میں میڈیا اور صحافت کو لوگوں کا دشمن ثابت کر کے ہر چیز پر نظر رکھنے والے کردار کو محدود کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ان کا مزید کہنا تھا کہ ہمیں حکومتوں اور بین الاقوامی اداروں کی جانب سے ان اقدامات پر بھرپور ردِعمل کی ضرورت ہے تا کہ بنیادی حقوق کی اہمیت برقرار رہے، یہ خاموش بیٹھنے کا وقت نہیں۔اس ضمن میں انہوں نے دنیا کے مختلف ممالک میں پریس کے حوالے سے پیش آنے والے واقعات کا تذکرہ بھی کیا جس میں پاکستان کے بارے میں ان کا کہنا تھا کہ یہاں تنقیدی میڈیا کو غیر مہذب مہم کا سامنا ہے۔آئی پی آئی کا کہنا تھا کہ حکومت نے بااثر اخبار ڈان کے سرکاری اشتہارات روک دیے اور انفرادی طور پر بھی صحافیوں کو نشانہ بنایا جا رہا ہے مثلاً آئی پی آئی ورلڈ پریس فریڈم کے ہیرو سرل المیڈا، جنہیں عسکریت پسندی کی کوریج پر غداری کے الزامات کا سامنا ہے۔اسی طرح امریکا میں محکمہ انصاف صحافیوں کے ریکارڈ تک رسائی کو آسان بنانے کے لیے رہنما اصولوں میں تبدیلیوں پر غور کر رہا ہے، اسی طرح وکی لیکس کے بانی جولین اسانج کے بارے میں مجرمانہ الزامات نے بھی آزادی صحافت کے حوالے سے سوالات کھڑے کر دیے۔دوسری جانب ترکی صحافیوں کو جیل میں قید کرنے والا سب سے بڑا ملک ہے جہاں 2018 کے دوران آزاد میڈیا کے خلاف کریک ڈاؤن میں اضافہ ہوا جس کے نتیجے میں 46 مزید صحافیوں کو گرفتار کیا گیا اور ان پر دہشت گردی کے الزامات عائد کیے گئے۔آئی پی آئی کے مطابق بنگلہ دیش میں ملک کے نئے ڈیجیٹل سیکیورٹی قوانین کی خلاف ورزی کی صورت میں صحافیوں کو عمر قید تک کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔تنظیم کے مطابق قتل کے ساتھ ساتھ گزشتہ برس صحافیوں کے خلاف حملوں اور گرفتاریوں میں بھی اضافہ ہوا ہے اور رواں برس کے ابتدائی 3 ماہ کے عرصے میں صحافیوں کی گرفتاری کی 70 کیسز سامنے آ چکے ہیں۔

(بشکریہ ڈان)

حراستی مراکز اور قید افراد کی قانونی حیثیت جاننے کیلئے حکومت سے جواب طلب

پشاور 11 اپریل 2019ء کو پشاور ہائی کورٹ نے 25 ویں آئینی ترمیم کے بعد انٹرمنٹ سینٹرز اور اس میں قید افراد کی قانونی حیثیت جاننے کیلئے وفاقی اور صوبائی حکومتوں کو 23 اپریل تک جواب جمع کرنے کی مہلت دے دی۔عدالت عالیہ کے چیف جسٹس وقار احمد سیٹھ اور جسٹس مسرت ہلالی پر مشتمل دو رکنی بنچ نے گزشتہ روز عبداللہ سمیت 70 درخواست گزاروں کی جانب سے دائر درخواستوں کی سماعت کی جس میں انہوں نے موقف اختیار کیا ہے کہ وہ گزشتہ کئی سال سے قبائلی علاقوں میں قائم انٹرمنٹ سنٹرز میں قید ہیں اور ان کی گرفتاری ایکشن ان ایڈ آف سول پاور ریگولیشن 2011ء کے تحت عمل میں لائی گئی ہے مگر تا حال اس کا ٹرائل شروع نہیں ہوا، اور نہ ہی انہیں بتایا جا رہا ہے کہ ان پر الزام کیا ہے۔دوران سماعت درخوات گزار عبداللہ کے وکیل عذرا سلیمان ایڈوکیٹ نے عدالت کو بتایا کہ اس کے موکل کو 2014ء میں مہمند ایجنسی سے اٹھایا گیا اور 2015ء میں سنٹر شفٹ کر دیا گیا، حکومتی اداروں کا موقف ہے کہ اس کا تعلق تحریک طالبان سے ہے اور اسے اس الزام میں گرفتار کیا گیا، لیکن 5 سال گزر جانے کے باوجود نہ تو ٹرائل شروع کیا گیا ور نہ ہی انہیں رہا کیا جا رہا ہے۔کیونکہ 25 ویں آئینی ترمیم کے بعد ایکشن ان ایڈ سول پاور

لاپتہ افراد کے لواحقین کا عزیزوں کی بازیابی کیلئے مظاہرہ

سوات 8 اپریل کو قبائلی اضلاع سے لاپتہ افراد کے لواحقین نے ان کی بازیابی کیلئے گزشتہ روز پشاور پریس کلب کے سامنے احتجاجی مظاہرہ کیا، مظاہرے کی قیادت لواحقین کر رہے تھے۔مظاہرین نے ہاتھوں میں پلے کارڈز اور بینرز اٹھا رکھے تھے جس پر ان کے عزیزوں کی تصاویر اور ان کی بازیابی کے حق میں نعرے درج تھے۔مظاہرین کا کہنا تھا کہ سال 2012ء سے قبائلی اضلاع سے ہزاروں افراد کو نامعلوم افراد نے اٹھا لیا ہے اور آج تک ان کی کوئی خبر نہیں ملی۔انہوں نے کہا کہ انہوں نے اپنوں کی بازیابی کیلئے ہر در پر دستک دی لیکن کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔

(نامہ نگار)

سسر نے بہو کو غیر مرد سمیت گولیاں مار کر قتل کر دیا

سوات 24 اپریل 2019ء کو تحصیل کبل کے علاقے قلاگے میں شادی شدہ خاتون کو غیر مرد سمیت فائرنگ کر کے قتل کر دیا گیا۔پولیس کے مطابق ملزم شیر امان نے اپنے بیٹے فرمان اور پوتے عثمان سے مل کر قریب میں واقع بیٹے کے گھر میں گھس کر اپنی بہو 25 سالہ مسماۃ (ث) اور 20 سالہ سلطان روم کو کمرے میں فائرنگ کر کے قتل کر دیا اور فرار ہو گئے، مقتولہ کی شادی کچھ سال پہلے مرکزی ملزم کے بیٹے رحمان غنی کے ساتھ ہوئی تھی جس سے مقتولہ کا ایک بیٹا بھی ہے، مقتولہ کا شوہر محنت مزدوری کی غرض سے سعودی عرب میں مقیم ہے۔

(نامہ نگار)

2 دھماکے، ہزارہ برادری کے 2 ارکان سمیت 5 افراد جاں بحق

زیارت بلوچستان کے تفریحی علاقے زیارت میں دو مختلف واقعات میں عید کی چھٹیوں منانے والے سیاحوں کی گاڑیاں دھماکوں کا نشانہ بنیں جس کے نتیجے میں ہزارہ برادری کے 2 افراد اور خاتون سمیت 5 سیاح جاں بحق ہو گئے۔اسسٹنٹ کمشنر (اے سی) زیارت کبیر زرقون کے مطابق گاڑی میں دھماکا زیارت کے پکنک پوائنٹ خرواری بابا کے مقام پر ہوا جہاں ابتدائی طور پر دو افراد جاں بحق اور متعدد زخمی ہو گئے تھے۔ان کا کہنا تھا کہ گاڑی میں دھماکے کے نتیجے میں زخمی خاتون بعد ازاں چل بسی اور جاں بحق افراد کی تعداد 3 ہو گئی۔اے سی زیارت کا کہنا تھا کہ پکنک پوائنٹ دھماکے میں جاں بحق اور زخمی ہونے والے سیاحوں کا تعلق کراچی سے ہے جو عید کی چھٹیاں گزارنے زیارت آئے تھے۔دھماکے کی نوعیت کے حوالے سے ان کا کہنا تھا کہ دھماکے کے حوالے سے حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا تاہم یہ بظاہر سلنڈر دھماکا معلوم ہوتا ہے۔ان کا کہنا تھا کہ زیارت کے علاقے کاواس میں ہزارہ برادری کے افراد کی گاڑی دھماکے کا نشانہ بنی۔جاں بحق افراد کا تعلق کوئٹہ سے تھا اور وہ زیارت کی سیر کے لیے آنے والے ایک گروپ کا حصہ تھے۔دھماکے میں زخمی ہونے والے افراد کو طبی امداد کے لیے فوری طور پر کوئٹہ ہسپتال منتقل کر دیا گیا۔وزیر اعلیٰ بلوچستان جام کمال خان نے زیارت میں سیاحوں کے ساتھ پیش آنے والے واقعے میں جانی نقصان پر افسوس کا اظہار کیا۔وزیر اعلیٰ بلوچستان نے کہا کہ صوبے میں سیاحوں کے تحفظ کے لیے مؤثر اقدامات کیے جائیں۔

(نامہ نگار)

عورتیں

شوہر کے مظالم کے خلاف احتجاج

حیدرآباد حیدرآباد کے علاقے ٹنڈو طیب اسلام آباد کی رہائشی خاتون لبنیٰ گل سومرو نے اپنے شوہر کے مظالم کے خلاف اور اپنے معصوم بیٹے کی شوہر سے واپسی کے لیے 14 اپریل کو حیدرآباد پریس کلب کے سامنے احتجاج کرتے ہوئے بتایا کہ شوہر محمد عظیم شادی کے بعد سے ہی اسے تشدد کا نشانہ بناتا رہا ہے۔ اور اب وہ شوہر کے تشدد سے تنگ آ کر اپنے والدین کے گھر رہائش پذیر ہے۔ دو روز قبل اس کا شوہر والدین کے گھر میں زبردستی دروازہ توڑ کر داخل ہوا اور اس کے معصوم بیٹے محمد علیان کو زبردستی اپنے ساتھ لے گیا۔ ''ہم نے پھلیلی تھانے پر بیٹے کے اغواہ کا کیس درج کرایا جس کے بعد شوہر دوسرے بیٹے کو بھی اپنے ساتھ لے جانے کی دھمکیاں دے رہا ہے۔ ارباب اختیار شوہر کے مظالم سے نجات اور بیٹا واپس دلوائیں''۔

(لالہ عبدالحلیم)

شوہر کی بازیابی کے لیے احتجاج

حیدرآباد بھٹ شاہ کے شیخ محلّہ کی رہائشی رابعہ زوجہ مکیش اوڈھ نے اپنے شوہر کی بازیابی کے لیے حیدرآباد پریس کلب کے سامنے احتجاج کرتے ہوئے ایچ آر سی پی کو بتایا کہ 15 روز قبل اس کا شوہر مکیش اوڈھ مزدوری کرنے کے لیے گھر سے گیا تھا جواب تک واپس نہیں آیا انہوں نے الزام عائد کیا کہ چند روز قبل اس کے شوہر سے علاقے کے رہائشی دلبر اوڈھ، سکندر اوڈھ اور شہزل سمیت دیگر سے جھگڑا ہوا تھا اور اس دوران مذکورہ افراد نے اس کے شوہر کو اغواہ اور قتل کرنے کی دھمکیاں دی تھیں۔ متعلقہ تھانے پر شوہر کے اغواہ کا کیس بھی درج کرایا ہے لیکن پولیس اس کی بازیابی کے لیے اقدامات نہیں کررہی ہے۔ انہوں نے ڈی آئی جی حیدرآباد، ایس ایس پی ٹیاری سے اپیل کی ہے کہ اس کے شوہر کو بازیاب کرا کر تحفظ اور انصاف فراہم کریں۔

(لالہ عبدالحلیم)

بیوی کی بازیابی کا مطالبہ

حیدرآباد نوشہرو فیروز کے رہائشی خالد حسین جتوئی نے کہا ہے کہ انہوں نے شانزانامی لڑکی سے پسند کی شادی کی اور اس کے سابقہ شوہر نے اسے طلاق دے دی تھی۔ 15 مارچ کو اس کا سسر منظور ملاح اور ایک سرکاری افسر حیدر ملاح اس کے گھر آ کر اسلحہ کے زور پر اس کی بیوی اور ڈیڑھ سالہ بچی کو زبردستی اپنے ساتھ لے گئے اور ضروری کاغذات بھی اپنے ساتھ لے گئے جس پر اس نے 30 مارچ کو بیوی کی بازیابی کے لیے عدالت میں پٹیشن دائر کی اور بعد میں اس کے سسر منظور ملاح نے عدالت میں اس کی بیوی کے بجائے کسی اور لڑکی کو برقعہ پہنا کر پیش کیا جس پر اس نے عدالت میں احتجاج بھی کیا کہ برقعہ میں اس کی بیوی نہیں ہے لیکن احتجاج پر کسی نے توجہ نہیں دی اور بعد میں اس کے خلاف جھوٹا مقدمہ درج کرادیا گیا۔ حیدرآباد پریس کلب میں پریس کانفرنس کرتے ہوئے انہوں نے اعلیٰ حکام سے مطالبہ کیا کہ اس کی بیوی کو بازیاب کرا کر اس کی زندگی بچائی جائے اور اس کے خلاف درج جھوٹے مقدمات ختم کر کے تحفظ اور انصاف فراہم کیا جائے۔

(لالہ عبدالحلیم)

پاکستان میں خواتین رضاکاروں کی اکثریت کو آن لائن بدسلوکی کا سامنا

کراچی ڈیجیٹل سروے کے مطابق 55 فیصد خواتین صحافیوں، سوشل میڈیا پر متحرک اور انسانی حقوق کے لیے آواز بلند کرنے والی رضا کاروں کو آن لائن ہراساں اور بدسلوکی کا سامنا ہے۔ اس کے علاوہ 91 فیصد خواتین کا کہنا ہے کہ یہ بدسلوکی صنفی بنیادوں پر کی جاتی ہے اور ذاتیات پر ہوتا ہے جبکہ 85 فیصد کا کہنا ہے کہ آن لائن بدسلوکی اکثر فرضی اکاؤنٹس کے ذریعے کی جاتی ہے۔ مذکورہ اعدادوشمار، خواتین اور آزادی اظہارِ رائے کے خلاف آن لائن اشتعال انگیزی پر کام کرنے والی تنظیم ڈیجیٹل رائٹس فاؤنڈیشن (ڈی آر ایف) کی رپورٹ میں سامنے آئے، جس کا عنوان تھا 'پاکستان میں سازگار فضا کو فروغ دینا- خواتین کے متحرک ہونے کو لاحق آن لائن خطرات کا سدِ باب کرنا'۔ مذکورہ رپورٹ کے نتائج ملک کے مختلف حصوں میں کام کرنے والی ان 60 خواتین کے تجربات سے اخذ کیے گئے ہیں جنہوں نے آن لائن استحصال کا مشاہدہ کیا یا جنہیں اس کا نشانہ بنایا گیا۔ رپورٹ کے مطابق خواتین کو ڈرانے دھمکانے کا طریقہ کار عورت کے لیے نفرت سے شروع ہو کر ہراساں کیے جانے اور خواتین کے پیچھے پڑنے سے لے کر ان کی نگرانی کرنے تک پھیلا ہوا ہے۔ اس رپورٹ کے مطابق، جو آن لائن بھی میسر ہے، اس کا مجموعی اثر دھمکیوں کے ذریعے خواتین کے آزادی اظہارِ رائے، ذاتی معاملات اور ان کے متحرک ہونے کو خوفزدہ، ہراساں کرنا اور ان کی نفی کرنے کی صورت میں پڑتا ہے۔ ایک جانب یہاں خواتین کو لاحق یہ خطرات صاف عیاں ہیں وہیں دوسری جانب پاکستان میں خواتین کے حقوق کے لیے متحرک ہونے اور آن لائن مقامات پر ان خطرات کے اثرات کا بھی تجزیہ کیا گیا۔ ڈی آر ایف کی سربراہ نگہت ڈار نے ایک پریس ریلیز میں کہا کہ 'عمومی طور پر دیکھنے میں آتا ہے کہ کس طرح خواتین کو ان کے متحرک ہونے کی وجہ سے آن لائن نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ آن لائن یا آف لائن کسی بھی مقام پر خواتین کی رائے نہیں سنی جاتی اور ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کس طرح انہیں مسلسل ہراساں کیا جاتا اور آن لائن، ان کے ساتھ بدسلوکی کی جاتی ہے'۔ ان کا مزید کہنا تھا کہ 'قانون نافذ کرنے والے اداروں کی عدم حمایت کے سبب خواتین آن لائن بدسلوکی کے حوالے سے شکایات درج کروانے کے لیے خود کو محفوظ محسوس نہیں کرتیں، جسے تبدیل ہونا چاہیے'۔ یہ خبر 25 اپریل 2019 کو ڈان اخبار میں شائع ہوئی۔ (بشکریہ ڈان)

گھریلو جھگڑے پر خاتون قتل

دیرلوئر 26 اپریل 2019ء کو تھانہ ثمر باغ کی حدود گاؤں کامبٹ میں شوہر نے چھری مار کر بیوی کو قتل کردیا۔ مقتولہ کے بیٹے کی اطلاع پر پولیس نے لاش قبضہ میں لینے کے بعد ہسپتال ثمر باغ میں پوسٹ مارٹ کرایا جہاں مقتولہ پر جسمانی تشدد کے بعد چھری سے وار کر کے قتل کردیئے جانے کی تصدیق ہوگئی۔ مقتولہ کا شوہر عادی نشئی تھا اور علاقائی لوگوں کے مطابق شوہر بیوی کے مابین آئے روز جھگڑے ہوا کرتے تھے، پولیس نے آلہ قتل قبضہ میں لیکر ملزم کے خلاف مقدمہ درج کرلیا ہے، جبکہ ملزم جائے وقوعہ سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا ہے۔ (نامہ نگار)

بیوی کو قتل کردیا گیا

ہرپور 26 اپریل کو ہری پور میں تھانہ سٹی کی حدود ملکیار میں شوہر نے گھریلو جھگڑے کے دوران تیز دھار آلہ سے بیوی کو قتل کردیا۔ 26 اپریل کو اندرہ ڈوگہ کے رہائشی حق نواز نے گھریلو جھگڑے کے دوران اپنی بیوی مسماۃ مسرت یاسمین کو تیز دھار آلہ سے وار کر کے قتل کردیا۔ مقتولہ ہسپتال میں نرس تھی۔ (روزنامہ مشرق)

بچے

بچوں کے ریپ کے واقعات میں اضافہ

اسلام آباد گزشتہ سال اگست میں این جی او ساحل کی جانب سے جاری رپورٹ میں بتایا گیا تھا کہ ملک میں 2017 کے ابتدائی 6 ماہ کے مقابلے میں 2018 کے اسی عرصے میں بچوں کے ریپ کے واقعات میں 32 فیصد اضافہ ہوا۔ رپورٹ میں بتایا گیا تھا کہ ملک کے تمام چاروں صوبوں کے علاوہ دارالحکومت اسلام آباد، گلگت بلتستان اور آزاد کشمیر کے مختلف اخبارات میں رپورٹ ہونے والے بچوں کے ریپ کے واقعات کی تعداد 2 ہزار 3 سو 22 تھی جبکہ جنوری سے جون 2017 کے درمیان یہ تعداد ایک ہزار 7 سو 64 تھی۔ رپورٹ کے مطابق رواں سال یومیہ 12 بچوں کو ریپ کا نشانہ بنایا گیا۔ رپورٹ کے مصنفین میں سے ایک ممتاز گوہر نے ڈان کو بتایا کہ زینب کے ریپ اور قتل کا کیس سامنے آنے کے بعد یہ تصور کیا جا رہا تھا کہ اس قسم کے واقعات میں کمی آ جائے گی لیکن بدقسمتی سے ایسا نہیں ہوا اور ایسے واقعات میں اضافہ ہوا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ تاہم مذکورہ کیس کی وجہ سے متاثرین نے ایسے واقعات کو چھپانے کی بجائے اس پر بات کر رہے ہیں اور ایسے مقدمات میں اہل خانے کی جانب سے مذکورہ تبدیلی ایک خوش آئندہ امر ہے۔ یاد رہے کہ زینب کے ریپ اور قتل میں ملوث مجرم عمران علی کو گزشتہ سال اکتوبر میں سزائے موت دی گئی تھی۔ (بشکریہ ڈان)

لڑکی کے اغواء کے خلاف مظاہرہ

حیدرآباد حیدرآباد کے سائٹ ایریا کی جونیجو کالونی کی رہائشی خواتین نے گیارہ سالہ لڑکی کے اغواء کے خلاف اور ملزم کی گرفتاری کے لیے حیدرآباد پریس کلب کے سامنے احتجاج مظاہرہ کیا۔ اس موقع پر فاطمہ گجر نے الزام عائد کیا کہ اس کی گیارہ سالہ بیٹی ردا 30 مارچ 2019 کو گھر کے سامنے واقع دکان پر سودا لینے گئی تھی جہاں سے ناظم نامی شخص اسے اغواء کر کے لے گیا۔ بیٹی کے اغواء کے بعد ہم نے ٹنڈو آدم پولیس کی معرفت ملزم ناظم کو گرفتار کرا کر سائٹ پولیس حیدرآباد کے حوالے کیا لیکن سائٹ پولیس کے اے ایس آئی نے ملزم سے بھاری رشوت لے کر اسے چھوڑ دیا اور سائٹ تھانے کی پولیس اس کی بیٹی کے اغواء کا مقدمہ درج نہیں کر رہی ہے۔ ارباب اختیار اس کی بیٹی کو بازیاب اور اس کے اغواء میں ملوث ناظم کو گرفتار کر کے ہمیں انصاف فراہم کریں۔

(لالہ عبدالحلیم)

فائرنگ سے ڈیڑھ سالہ بچہ جاں بحق

کراچی کراچی میں یونیورسٹی روڈ پر ڈاکوؤں سے مبینہ پولیس مقابلے کے دوران اہلکاروں کی فائرنگ سے ڈیڑھ سالہ بچہ جاں بحق ہو گیا۔ ڈپٹی انسپکٹر جنرل (ڈی آئی جی) ایسٹ عامر فاروقی نے تصدیق کی کہ اہلکاروں کے فائرنگ کی زد میں آ کر ڈیڑھ سالہ بچہ محمد احسن شیخ جاں بحق ہوا۔ انہوں نے بتایا کہ صفدرہ گوٹھ کے پاس موجود پولیس اہلکاروں کو ایک شخص نے شکایت کی کہ موٹر سائیکل پر سوار دو ڈاکوؤں نے اس کو نقدی محروم کر دیا۔ ڈی آئی جی ایسٹ نے بتایا کہ پولیس اہلکاروں نے موٹر سائیکل سوار ڈاکوؤں کا تعاقب کیا اور اس دوران رکشہ میں والدین کے ہمراہ سوار بچہ پولیس اہلکاروں کی فائرنگ کی زد میں آ گیا۔ انہوں نے بتایا کہ 'بچے کے والدین محفوظ رہے'۔ میڈیا پر واقعے کی خبر نشر ہونے پر آئی جی سندھ ڈاکٹر سید کلیم امام نے واقعہ کا نوٹس لے کر ڈی آئی جی ایسٹ عامر فاروقی کو انکوائری کی ہدایت کرتے ہوئے رپورٹ طلب کر لی۔ مبینہ پولیس مقابلے کے دوران ہلاکت کا یہ کوئی پہلا واقعہ نہیں گزشتہ چند مہینوں کے دوران ڈاکوؤں سے مقابلے کے دوران پولیس اہلکاروں کی فائرنگ سے متعدد مرتبہ معصوم بچے نشانہ بن چکے ہیں۔ اس طرح کا واقعہ گزشتہ برس اگست میں پیش آیا جب ڈیفنس کے علاقے میں پولیس مقابلے کے دوران گولی لگنے سے 10 سالہ امل عمر ہلاک ہو گئی تھی۔ بعدازاں کراچی پولیس نے اعتراف کیا تھا کہ ڈکیتیوں سے مسلح مقابلے کے دوران پولیس کی جانب سے غیر ارادی طور پر فائر لگنے سے بچی جاں بحق ہوئی۔ رواں برس فروری میں نارتھ کراچی میں پولیس مقابلے کی زد میں آ کر ایک میڈیکل طالبہ جاں بحق ہو گئی تھی۔ اسی طرح کا ایک اور واقعہ 6 اپریل کو پیش آیا تھا جس میں 10 سالہ بچہ پولیس کی مبینہ فائرنگ سے جاں بحق ہو گیا تھا۔

(انگریزی سے ترجمہ بشکریہ ڈان)

40 سالہ شخص کی 10 سالہ بچی سے شادی کی کوشش ناکام

شکار پور صوبہ سندھ کے علاقے شکارپور میں پولیس نے 40 سالہ شخص کی 10 سالہ بچی کے ساتھ زبردستی شادی کی کوشش ناکام بناتے ہوئے ملزمان کو گرفتار کر لیا۔ یہ واقعہ شکارپور کی تحصیل خانپور کے نواحی گاؤں مھر وماڑی میں پیش آیا، جس میں رخصتی سے قبل پولیس نے کارروائی کرتے ہوئے دلہا اور دلہن کو گرفتار کر لیا۔ پولیس کی جانب سے گرفتار کیے گئے 40 سالہ شخص کی شناخت محمد سومر جبکہ 10 سالہ بچی کی شناخت ملوکان شیخ کے نام سے ہوئی ہے، ملزم پر 10 سالہ بچی سے زبردستی شادی کرنے کا الزام ہے۔ پولیس کا کہنا تھا کہ اطلاع ملی تھی کہ گاؤں مھر وماڑی میں 10 سالہ بچی کا زبردستی نکاح پڑھوایا گیا ہے اور رخصتی کی تیاری کی جا رہی ہے جس پر کارروائی کرتے ہوئے دلہا اور دلہن کو گرفتار کر لیا گیا۔ پولیس نے بتایا کہ دلہن کے والد اور نکاح خواہ پولیس کارروائی کے موقع پر فرار ہو گئے تھے، جنہیں بعدازاں گرفتار کر لیا گیا۔ پولیس یہ بھی تفتیش کر رہی ہے کہ کہیں والد نے بچی کو جوئے میں تو نہیں ہارا۔ ان کا کہنا تھا کہ بچی، دلہا اور دیگر ملزمان کو جلد عدالت میں پیش کیا جائے گا۔ بعدازاں پولیس نے واقعے کی ایف آئی آر درج کر لی، ایس ایچ او ناپر کوٹ امتیاز کھاوڑ کے مطابق دلہا اور دلہن کے والد کو گرفتار کر لیا ہے جن پر بچی کی زبردستی شادی اور اسے ڈھائی لاکھ روپے میں فروخت کرنے کا الزام ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی بتایا گیا کہ ایس ایس پی شکارپور ساجد امیر صدوزئی کی نگرانی میں ایک ٹیم تشکیل دی گئی ہے جو واقعے کی انکوائری کرے گی۔ تاحال بچی اور اس کی دادی پولیس کی تحویل میں ہیں۔

(بشکریہ ڈان)

2 سالہ بچی سے جنسی زیادتی

اسلام آباد وفاقی دارالحکومت اسلام آباد میں 2 سالہ بچی کو مبینہ طور پر ریپ کا نشانہ بنا دیا گیا۔ متاثرہ بچی کی والدہ نے الزام لگایا کہ محلے دار نے ان کی بیٹی کا ریپ کیا۔ انہوں نے بتایا کہ سسرال میں بیٹی کی غیر موجودگی کے باعث اسے آس پڑوس اور محلے میں تلاش کیا گیا۔ متاثرہ بچی کی والدہ نے بتایا کہ کچھ دیر بعد ان کی بیٹی روتی ہوئی محلے کے ہی ایک مکان سے نکلی۔ انہوں نے بتایا کہ متاثرہ بچی کو فوری طور پر پولی کلینک ہسپتال لے جایا گیا جہاں ڈاکٹروں نے بچی کے ریپ کی تصدیق کی۔ بعدازاں پولیس نے واقعے کا مقدمہ درج کر کے ملزم کو گرفتار کر لیا، جس سے تفتیش جاری ہے۔

(بشکریہ ڈان)

کون چاہتا ہے کہ ایوب خان اور ضیاء الحق کا دور لوٹ آئے؟

آئی۔اے۔رحمان

چند طاقتور عناصر کی جانب سے پارلیمانی نظام کی جگہ صدارتی نظام متعارف کیے جانے کا مطالبہ دراصل 1980ء کی دہائی میں جنرل ضیاء الحق کی جانب سے شروع کردہ ایسی ہی ایک مہم کا تسلسل کہا جاسکتا ہے۔

جنرل ضیاء نظام کو تو باضابطہ طور پر بدل نہ سکے البتہ انہوں نے آئین میں اتنی زیادہ تبدیلیاں کیں کہ صدارتی طرز کا نظام وجود میں آ گیا۔

صدارتی نظام کے حق میں دلیل دیتے ہوئے ضیاء نے دعویٰ کیا کہ قائداعظم صدارتی نظام حکومت چاہتے تھے جس کا ذکر ان کی ڈائری میں ملتا ہے۔ تاہم ڈائری کو کبھی عوام کے سامنے نہیں لایا گیا البتہ صرف ایک صفحہ میڈیا کو جاری کیا تھا، جبکہ لوگ قائداعظم سے منسوب اس بات کا سیاق وسباق کا جائزہ نہ لے سکے۔ یہی نہیں جنرل اپنے بیان میں قائداعظم کے نام کا حوالہ دے کر مطمئن محسوس نہیں کر رہے تھے، کیونکہ ان کے مذہبیت پر مبنی مقاصد قائد کی سیاسی سوچ، بالخصوص عام شہریت پر مبنی ایک پاکستانی قوم کی تعمیر کے تصور کے متضاد تھے۔

چونکہ ضیاء کے ہاتھ رنگے ہوئے تھے اس لیے انہوں نے ایک عرصے تک قائد کی ڈائری کا ذکر نہیں کیا۔ انہوں نے ایک آئینی حکام کا تختہ الٹا کیا تھا، جو ایک ایسا جرم تھا جس کی سزا آزادی سے قبل قائداعظم نے سزائے موت تجویز کی تھی۔ انڈین نیشنل آرمی کے افسران کو حکومت کی جانب سے سنائی گئی سزا پر بات کرتے ہوئے قائداعظم نے انڈین نیشنل اسمبلی میں کہا تھا کہ '...... جب وقت آن پڑا تو پاکستان میں میری فوج بلاشبہ اپنے ہر ایک فریضہ انجام دے گی اور وفاداری کا مظاہرہ کرے گی، اور اگر کسی نے ایسا نہ کیا تو پھر چاہے وہ سپاہی ہو، افسر ہو یا پھر سویلین اس کا انجام بھی ویسا ہوگا جیسا ولیم جوائس اور جان امیری کا ہوا' (یہ 2 افراد انگلش اشرافیہ کے ممبران تھے، جبکہ جان امیری سیکریٹری اسٹیٹ برائے ہندوستان کے بیٹے تھے، ان دونوں کو دوسری جنگ عظیم کے دوران ہٹلر کی حمایت پر پھانسی دی گئی تھی۔)

چونکہ حکومت کے پاس پارلیمنٹ کے اندر مطلوبہ قوت نہیں ہے اس لیے قانون کے وفاقی وزیر نے کہا ہے کہ موجودہ نظام کو صدارتی نظام سے بدلنے کے لیے ریفرینڈم ایک جمہوری طریقہ کار رہے گا۔ مگر نظام حکومت پر ریفرینڈم کے لیے بھی آئینی ترمیم درکار ہوگی۔ ماضی میں ضیا اور مشرف نے جس طرح ریفرینڈم کروائے اور اپنے مطلوبہ نتائج حاصل کیے اسے دیکھتے ہوئے یہ کہنا مشکل ہے کہ لوگ ریفرینڈم کے ذریعے کسی تبدیلی کو قبول کریں گے۔

حقیقی مسئلہ یہ ہے کہ صدارتی نظام لانے کا کہا تو جا رہا ہے لیکن یہ نہیں بتایا جا رہا ہے دنیا میں رائج صدارتی نظاموں میں کس طرز کے نظام کو پاکستان کے لیے منتخب کیا جا رہا ہے۔ جب تک تبدیلی کی وکالت کرنے والے میز پر اپنے سارے پتے نہیں پھینکتے تب تک اس پر ایک باقاعدہ مباحثہ کرنا ممکن نہیں ہوگا۔

تاہم پاکستان پہلے ہی صدارتی نظام کے تجربے کر کر کے تھک چکا ہے اور اس کے تباہ کن نتائج بھی کسی سے ڈھکے چھپے نہیں ہیں۔

حقیقتاً ایوب خان ایک ایسے صدارتی نظام پر یقین رکھتے تھے جس میں پارلیمنٹ کے اندر کوئی سیاسی جماعت نہ ہو، وزرا نہ تو قانون ساز ایوانوں کے ارکان ہوں اور نہ ہی اداروں کے آگے جوابدہ ہوں۔ انہوں نے اپنا مرتب کردہ آئین کو نافذ کیا، ریاست کا نام تبدیل کیا اور بنیادی قانون میں سے بنیادی حقوق کے باب کو نکال دیا۔ انہیں پیچھے تو ہٹنا پڑا تھا مگر انہوں نے کبھی بھی کسی جمہوری ادارے کے آگے ذمہ داری قبول نہیں کی۔ انہوں نے آپریشن جبرالٹر سے قبل قومی اسمبلی سے مشاورت نہیں کی اور پھر یہی آپریشن 1965ء میں ہندوستان کے ساتھ تنازع کی وجہ بنا، جبکہ انہوں نے تاشقند معاہدے کے بارے اس وقت اطلاع دی جب وہ اس پر اپنے دستخط کر چکے تھے۔ انہوں نے ترقی کے نام پر رشوتوں کے ذریعے ملک کے مشرقی حصے کی وفاداری خریدنے اور مونیم خان جیسے تابعدار متنازع اشخاص کی مدد سے نظم ونسق بحال رکھنے کی کوشش کی۔ استحکام اور ترقی کی ایک دہائی کے بعد ملک دولخت ہوگیا۔

> جنرل ضیاء نظام کو تو باضابطہ طور پر بدل نہ سکے البتہ انہوں نے آئین میں اتنی زیادہ تبدیلیاں کیں کہ صدارتی طرز کا نظام وجود میں آ گیا۔

چند سیاسی طور پر نادان لوگ ایوب خان کی جانب سے سیاسی نظام پر چھوڑے گئے زخموں کو صدارتی لبادے میں اوڑھی ہوئی آمریت میں ہونے والے ترقیاتی کاموں کے عوض معاف کر دیتے ہیں۔ پھر وہ ان برٹش کے خلاف ہماری جدوجہد کیوں بھول جاتے ہیں جنہوں نے ہمارے لیے عدالتیں اور یونیورسٹیاں بنائیں، ریل پٹریاں بچھائیں اور دنیا کا سب سے بڑا آبپاشی نظام تعمیر کیا۔

ایوب خان کے بعد اقتدار سنبھالنے والے یحییٰ خان کو ایک آدمی ایک ووٹ کے اصول کی بحالی، ون یونٹ کے خاتمے اور ملک کے پہلے عام انتخابات کا انعقاد کروانے کا کسی حد تک سہرا دیا جاتا ہے، مگر انہوں نے انتخابات کے نتائج کو نہ مان کر اور ملک کو ٹوٹنے کی نہج پر لا کر رسوائی کا پیرہن پہن لیا۔ انہوں نے تمام کام، چاہے اچھے یا برے، کسی بھی نمائندہ مجلس سے مشاورت کے بغیر کیے تھے۔

جنرل ضیاء بھی ایک طاقتور صدر تھے۔ انہوں نے اپنے رفقاء سے مشاورت کا ڈھونگ تو رچایا مگر انہوں نے اپنی منشا کے مطابق تمام اقدامات اٹھائے اور وہ کسی ادارے کی نگرانی کے بھی تابع نہیں تھے۔ انہوں نے آئین کو اپنے خیالاتِ خام کے مطابق تبدیل کیا۔ سب سے بدترین کام تو یہ ہوا کہ انہوں نے پاکستان کو افغانستان تنازع کی طرف دھکیل دیا اور اسے بندوق اور منشیات کلچر کا شکار بنا دیا۔

چنانچہ پاکستان کے صدور نے جتنا غیر معمولی نقصان ریاست کو پہنچایا ہے اتنا تو تمام پارلیمانی لیڈران نے مل کر بھی نہیں پہنچایا ہوگا۔

صدارتی اور پارلیمانی نظام میں سے ایک کا انتخاب اس بنیاد پر نہیں کیا جاسکتا ہے کہ ان میں سے کون سا نظام نظریاتی اعتبار سے دوسرے سے اعلیٰ ہے۔ ہوشمندی اور فہم عامہ ایک ایسے نظام کا تقاضا کرتا ہے کہ جس سے عوام آشنا ہو۔

ایوب خان اور ضیاء الحق دونوں نے ایک ایسے نظام کی حمایت کی جو بظاہر عوام کی اعلیٰ ذہانت یا نفسیات سے مطابقت رکھنے والا ہو۔ اگرچہ پاکستانی عوام نے ایک سے زائد بار آمریتی حکومتوں کے آگے ہتھیار ڈال دیے، لیکن تاریخ میں ایسا کوئی ثبوت نہیں ملتا ہے کہ جو یہ ظاہر کرے کہ انہوں نے آزادی پر غلامی کو ترجیح دی۔ دوسری طرف انہوں نے اپنی جدوجہد اور قربانی سے ہر 9 یا پھر 10 سالہ طاقتور آمریت کو زیر کیا ہے۔

پاکستان مشکل حالات سے گزر رہا ہے۔ جمہوریت، سیاسی جماعتوں اور خود سیاست کو ظالمانہ ظاہر کرنے کی مہم زور و شور سے جاری ہے۔ بنیادی آزادیوں اور معقول رائے عامہ کی آوازوں کے لیے تو جیسے کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہی۔ لوگوں کے پاس اس بات سے ڈرنے کا درست سبب ہے کہ صدارتی نظام کی طرف لوٹنا نمائندہ گورننس کے ناپید ہونے کی راہ ہموار کرسکتا ہے۔

چونکہ سیاست ممکنات کے فن کا نام ہے اس لیے تمام جمہوری گروہوں پر پارلیمانی نظام کو مضبوط کرنے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ جس نظام کو عام شہریوں نے سمجھنا شروع کر دیا ہے، اور وہ راہ نہیں لینی چاہیے جو ایک ایسے بہتر تصور کیے جانے والے نظام کو جاتی ہے کہ جسے سنبھالنے کے لیے ہمارے پاس مطلوبہ فرشتے ہی موجود نہیں ہیں۔

(انگریزی سے ترجمہ بشکریہ ڈان)

روشن خیال اور روادار سماج کا خواب

زاہدہ حنا

چند دنوں پہلے کراچی کے تعلیمی ادارے ''زیبسٹ'' اور ''سیکولر پاکستان'' کے زیرِاہتمام ڈاکٹر ریاض احمد شیخ اور پروفیسر ایس ہارون احمد نے ایک مذاکرے کا اہتمام کیا جس میں پاکستان کے تین اہم دانشوروں علی امام، سبط حسن اور پروفیسر کرار حسین کے مختصر مقالات پر گفتگو ہوئی۔

سید سبط حسن کے مقالے پر اپنی بات کہنے سے پہلے اس بات کا اعتراف ضروری ہے کہ انھوں نے پاکستان کی حکمران اشرافیہ اور اس کے معاون و مددگار مذہبی حلقے کے سامنے آوازِ حق بلند کی۔ انھوں نے تھیا کریسی، سیکولرازم اور اسلامی ریاست پر 70ء اور 80ء کے ابتدائی برسوں میں طویل مضامین لکھے۔ 1986 میں اپنی رخصت سے پہلے انھوں نے Ideas of Battle تحریر کی۔ ایک ایسے زمانے میں جب یومِ شوکت اسلام منایا جارہا تھا اور یوں محسوس ہورہا تھا کہ سرکاری سرپرستی میں آزاد خیالات وافکار کا گلا گھونٹ دیا جائے گا، سبط حسن نے نہایت دبنگ انداز میں وہ بات کہی جو پاکستانیوں کے جمہوری اور انسانی حقوق کی طلبگار تھی۔ انھوں نے لکھا کہ ''قلم کا جواب زبانِ قلم سے دینا اربابِ فہم کا مسلک ہے، اس لیے کہ خیالات کو بہتر خیالات ہی سے شکست دی جا سکتی ہے اور گمراہیاں، راستی کی راہ دکھانے سے ہی رک سکتی ہیں، نہ کہ احتساب کی آہنی دیواروں سے۔''

سبط حسن نے 1982 میں لکھا تھا کہ ''جذباتیت، تنگ نظری اور ناروا داری ذہنوں پر اس قدر حاوی ہے کہ نئی فکر کی تازہ ہوائیں ادھر کا رخ کرتے ڈرتی ہیں۔ یہ روش اگر جلد نہ بدلی گئی تو ہم اپنی نئی نسلوں کو شاہ دولہ کے چوہوں کے سوا تحفے میں کچھ نہیں دے سکیں گے۔'' انھیں گزرے ہوئے 33 برس بیت گئے زمانہ آگے بڑھ گیا، ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ پاکستانی سماج وقت کے ساتھ قدم ملا کر چلتا، لیکن ہوا اس کے برعکس۔ ان کی پیش گوئی درست ثابت ہوئی۔ ہمارے یہاں دولہ شاہ کے چوہوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ کسی استاد کے خیالات سے اختلاف رکھنے والے شاگرد اسے چھرا مار کر ہلاک کر دیتے ہیں اور پھر آلہ قتل لہراتے ہوئے اپنے اس بھیانک جرم پر فخر کرتے ہیں، اسے جنت میں جانے کا پروانہ جانتے ہیں۔ سبط صاحب یہ بات برملا کہتے تھے کہ غور وفکر کے بغیر کوئی تہذیب اور کوئی ثقافت جنم نہیں لے سکتی۔ وہ انسان پر قبائلی، جاگیردارانہ اور صنعتی ادوار کے اثرات پر گفتگو کرتے ہیں اور یہ اہم سوال اٹھاتے ہیں کہ کوئی سماج کسی خاص زمانے میں کیوں عظیم دانشور، سائنسدان، منصف اور فنکار پیدا کرسکا اور پھر اچانک وہ سماج ان تمام خصوصیات سے کیوں محروم ہو گیا۔ اس سلسلے میں وہ آٹھویں صدی سے گیارہویں صدی کے درخشاں مسلم سماج کی مثال دیتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس تابانی میں اصل کردار نومسلم ایرانی دانشوروں، شاعروں اور فلسفیوں کا تھا۔

یہ بات دلچسپ ہے کہ ابن رشد کی کتابوں کو کفر والحاد کا پلندا قرار دے کر انھیں جلا دینے والوں پر فخر کرنے والے اس بات پر غور نہیں کرتے کہ یہ اسی کی کتابیں تھیں جنھیں اس کے یہودی شاگرد اپنی آستینوں میں چھپا کر اٹلی لے گئے۔ وہاں یہ کتابیں ترجمہ ہوئیں اور ابن رشد کے خیالات سے یورپ میں نشاۃ ثانیہ کا سورج طلوع ہوا۔ ابن رشد اور دوسرے فلسفیوں کے ساتھ روا رکھے جانے والے سلوک نے مسلم سماج میں دوسروں کو خاموش رہنے پر مجبور رکھا اور اسی کے بعد علم و تحقیق کی دنیا میں اندھیرا چھا گیا۔

پاکستان میں کلچر کی بحث دہائیوں سے چل رہی ہے۔ پاکستانی کلچر کے نام سے کچھ دانشوروں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ پاکستان اپنا ایک مخصوص کلچر رکھتا ہے۔ اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ پاکستان مختلف قومیتوں کا مجموعہ ہے، ان کی اپنی زبانیں ہیں۔ ان کا اپنا کلچر ہے جو صدیوں اور بعض حالات میں ہزاروں برس سے چلا آرہا ہے۔ اس لیے کسی ایک زبان یا کلچر کو تمام پاکستانیوں پر مسلط کرنا، ان کی حق تلفی اور ان قومیتوں کے درمیان اختلاف پیدا کرنے کے سوا کچھ نہیں۔ یہ خطہ شعر وادب، فنون لطیفہ، تعمیرات، رقص وموسیقی اور مصوری میں ایک شاندار ماضی رکھتا ہے۔

انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ ماضی کے ان تمام جواہر کو اپنایا جائے اور کسی کو کسی پر فضلیت حاصل نہ ہو۔ ہم مادھو لال حسین، وارث شاہ، شاہ عبداللطیف بھٹائی، بابا فرید، لال شہباز قلندر، رحمان بابا، خواجہ میر درد؟، میر؟ تقی، غالب؟، نظیر؟ اکبر آبادی اور بے شمار دوسرے شعرا اور صوفیوں کے کلام کا خزانہ رکھتے ہیں جو تمام انسانیت کا سرمایہ ہیں۔ اس میں ہندو مسلم کی تخصیص نہیں۔ مسجد اور مندر الگ طرز تعمیر رکھتے ہیں، اس کے باوجود وہ انسانوں کی مقدس عبادت گاہیں ہیں۔ ہمارے صوفیوں اور بھگتی تحریک کے ماننے والوں نے ہزاروں برس پر پھیلی ہوئی ایک ایسی تہذیب کو جنم دیا جو آج بھی ہمارے لاکھوں کروڑوں شہریوں کے سینوں میں اپنی جڑیں رکھتی ہے۔

1857 کے بارے میں کہا گیا کہ یہ آزادی حاصل کرنے کی کوشش ضرور تھی لیکن اس لیے کامیاب نہ ہوسکی کہ یہ دراصل قدیم و جدید کے درمیان آویزش تھی۔ انگریز استعماری طاقت تھا، وہ ہندوستان پر قبضہ کرنے میں اس لیے کامیاب ہو سکا کہ وہ نئے ہتھیاروں سے لیس تھا۔ اپنے ساتھ چھاپہ خانہ لایا تھا۔ اس نے ریل کی پٹریاں بچھائی تھیں جو نہایت تیز رفتاری سے کمپنی کی فوجوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتی تھیں۔ اسی طرح تار برقی تھا جو منٹوں میں خبریں پہنچاتا تھا۔ یہاں یہ عرض کرتی چلوں کہ ہمارے یہاں چھاپہ خانے کو اس قدر ناپسند کیا جاتا تھا کہ سولہویں صدی میں جب پرتگیزی سفارتکار شہنشاہ اکبر کے دربار میں حاضر ہوئے اور تحفے کے طور پر چھاپہ خانہ پیش کیا تو اسے مہابلی اکبر نے کاٹھ کباڑ کہہ کر گودام میں ڈلوا دیا۔ اسی طرح ٹیپو سلطان کے سوا ہمارے اس وقت کے حکمرانوں نے پرتگیزیوں، ولندیزیوں، فرانسیسیوں اور انگریزوں کی بحری قوت کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے بحری بیڑے تیار نہیں کیے۔ جدید ایجادات سے منہ پھیرنا اور اپنے پرانے طریقوں پر اصرار کرنا وہ بڑے اسباب تھے جنھوں نے برصغیر کو برطانوی استعمار کے شکنجے میں جکڑ دیا۔ برصغیر میں راجا رام موہن رائے، غالب، ٹیگور اور سرسید نے جدید طرز حیات کی طرف توجہ کی اور نئے رجحانات اور خیالات سے استفادہ کیا۔ ہمارے ان دانشوروں نے اپنی قدیم تہذیب کی شاندار روایات کے ساتھ ساتھ جدید خیالات کی آمیزش کو برصغیر میں رہنے والوں کو جدید تعلیم اور حکومت کرنے کے جدید انتظامی طریقوں کو اپنانے پر زور دیا۔ بوڑھے غالب نے نوجوان سرسید کی ''آئین اکبری'' پر فارسی میں جو تقریظ لکھی، وہ ہمارے یہاں جدید وقدیم کی آویزش کی ایک شاندار مثال ہے۔

سبط حسن اپنی تہذیب اور تمدن کے شیدا ہیں، انھیں مسجدوں کا نیا انداز تعمیر ناگوار گزرتا ہے لیکن وہ جانتے ہیں کہ جدید ایجادات، خیالات اور تصورات کا جو سیلاب امڈا ہے، اسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ وہ اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں کہ یہ صرف برصغیر کا احوال نہیں، تمام دنیا تبدیلی کے اس گرداب میں گرفتار ہے۔ وہ اس بات کی خواہش رکھتے ہیں کہ ہم اپنی تہذیبی روایات سے پہلو تہی نہ کریں، ہماری کوشش ہونی چاہیے کہ جدید و قدیم اور مشرق ومغرب کی آمیزش سے ایک نئی دنیا تخلیق کریں جو زیادہ جمہوری، انسان دوست، رنگارنگ اور حسین ہو۔ پاکستان کو وہ ایک روادار، روشن خیال اور کثیرالمشرب سماج کے روپ میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ جا چکے ہیں لیکن اپنے اس خواب کو تعبیر دینے کے لیے انھوں نے اپنے قلم سے ایسی روشن کتابیں لکھیں جنھوں نے بلوچستان، سندھ، پنجاب اور پشتون علاقوں کے نوجوانوں کو متاثر کیا۔ آج کچھ لوگوں کی سیاہ قلبی کے ساتھ ہی اگر ہمارے نوجوانوں کے ایک بڑے طبقے میں بیداری پائی جاتی ہے اور وہ زندگی اور اس کے معاملات کو معروضی انداز میں دیکھتے ہیں تو یہ سبط حسن، علی عباس جلالپوری، حمزہ علوی، ڈاکٹر مبارک علی اور بعض دوسروں کی تحریروں کا کمال ہے۔ ایک ایسے ملک میں جہاں عوام کے مسائل حل کرنے کے بجائے انھیں فرقوں، مسلکوں اور طبقات میں تقسیم کیا جا رہا ہو، جہاں ہر طرف آگ اور بارود کا کھیل ہو رہا ہو، وہاں سبطے صاحب اور ان کے دوسرے ہم خیال دانشوروں اور لکھاریوں نے پاکستانی سماج کو سنوارنے اور اس کے ذہن میں چبھے ہوئے کانٹے نکالنے میں جو کردار ادا کیا ہے، وہ قابل صد ستائش ہے۔

یہ درست ہے کہ دولہ شاہ کے چوہوں کی نسل کو ایک سوچے سمجھے انداز میں پروان چڑھایا گیا ہے لیکن تاریک ذہنوں کے خلاف عوام کی مزاحمت میں بھی تیزی سے اضافہ ہوا ہے۔ یہی سبط حسن جیسے دانشوروں کی جیت ہے۔ (بشکریہ ایکسپریس نیوز)

گھوٹکی میں مذہب کی جبری تبدیلی؟

فیکٹ فائنڈنگ ٹیم نے 2 سے 3 مئی 2019 کو گھوٹکی کا دورہ کیا۔ دورے کا مقصد ہندو لڑکیوں بالخصوص ڈہرکی شہر ضلع گھوٹکی میں رینا اور روینہ کے مذہب کی جبری تبدیلی کی شکایات کی چھان بین کرنا اور مقامی ہندو برادری میں بڑھتے ہوئے عدم تحفظ اور ان کے خدشات کو سمجھنا تھا۔

تحقیقاتی ٹیم کے اراکین

محترمہ منیٰ بیگ، ڈائریکٹر، ایچ آر سی پی

محترم اسد اقبال بٹ، ایچ آر سی پی نائب چیئر، سندھ

محترم مہیش کمار، مدیر روزنامہ سندھ، حیدرآباد

محترم خوشحال خٹک، ایچ آر سی پی، اسلام آباد

محترم رحیم بخش جعفری، معروف سماجی و سیاسی کارکن، شکارپور

ڈاکٹر محمد خان ببر، سرجن، گمبٹ انسٹی ٹیوٹ آف میڈیکل سائنسز، اور سماجی کارکن، خیرپور

ڈاکٹر امداد چانڈیو، ایچ آر سی پی صوبائی کوآرڈینیٹر، سندھ

محترم اللہ ورائیو، سینیئر صحافی، گھوٹکی، ایچ آر سی پی کارکن، (مقامی رابطہ کار و سہولت کار)

رینا اور روینہ کا واقعہ

20 مارچ کو ضلع گھوٹکی کے شہر ڈہرکی سے دو بہنیں رینا میگھواڑ اور روینہ میگھواڑ لاپتہ ہوگئیں۔ مقامی ہسپتالوں میں تلاش کرنے کے بعد، دونوں بہنوں کے اہل خانہ اور میگھواڑ برادری نے ایف آئی آر کے اندراج کے لیے مقامی تھانے سے رجوع کیا۔ مقامی افراد کے مطابق جب ایف آئی آر درج ہوتی نظر نہ آئی تو خاندان والوں اور برادری نے اگلے روز احتجاج کیا جس کے بعد ایف آئی آر درج کی گئی۔

جس روز ایف آئی آر درج ہوئی، سماجی رابطوں کی ویب سائٹس پر دونوں بہنوں کی ایک ویڈیو وائرل ہوئی، ویڈیو میں دونوں بہنوں کو اسلام قبول کرتے اور دو مقامی مردوں سے شادی کرنے کا دعویٰ کرتے دکھایا گیا۔ یہ انکشاف بھی ہوا کہ دونوں بہنوں کو رحیم یار خان لے جایا گیا ہے اور ان کی شادی صفدر علی اور برکت علی ملک سے کی جا چکی ہے، یہ دونوں مرد پہلے سے ہی شادی شدہ اور بال بچے دار تھے۔ شادی 22 مارچ 2019 کو سنی تحریک نامی مذہبی جماعت کے مقامی دفتر میں ہوئی۔ دونوں بہنوں نے مبینہ طور پر ضلع گھوٹکی میں قائم بھرچونڈی مدرسے میں اسلام قبول کیا تھا۔

لڑکیوں کے اہل خانہ کا دعویٰ ہے کہ دونوں نابالغ (18 سال سے کم عمر) ہیں، جبکہ بہنوں کا کہنا ہے کہ وہ اٹھارہ سال سے زائد عمر کی ہیں۔ دونوں بہنوں نے 25 مارچ 2019 کو اسلام آباد ہائی کورٹ میں اپنے خاندان والوں سے تحفظ کی درخواست دائر کی۔ عدالت نے حکومت کو معاملے کے حل تک دونوں بہنوں کو تحفظ فراہم کرنے کا حکم دیا۔

واقعے کے حقائق کی چھان بین کے لیے عدالت نے 2 اپریل کو ایک کمیشن قائم کیا۔ کمیشن میں وفاقی وزیر برائے انسانی حقوق ڈاکٹر شیریں مزاری، ایچ آر سی پی کے چیئر پرسن ڈاکٹر مہدی حسن، ایچ آر سی پی کے اعزازی ترجمان آئی اے رحمٰن، قومی کمیشن برائے حقوقِ نسواں کی چیئر پرسن محترمہ خاور ممتاز اور مذہبی دانشور مفتی تقی عثمانی شامل تھے۔ عدالت طبی رپورٹ کی بنیاد پر اس نتیجے پر پہنچی کہ اپنی عمر کے لحاظ سے لڑکیاں شادی کرنے کی اہل ہیں اور ان سے زبردستی اسلام قبول نہیں کروایا گیا۔ انہیں اپنے شوہروں کے ساتھ رہنے کی اجازت دے دی گئی۔ لڑکیوں کے اہلِ خانہ نے عدالتی فیصلے پر تحفظات کا اظہار کیا اور ان اقدامات پر مایوسی ظاہر کی۔ کمیشن نے 14 مئی کو عدالت میں اپنی رپورٹ پیش کی۔ بعد ازاں، محترم آئی اے رحمٰن اور محترمہ خاور ممتاز نے عدالت میں اپنی ضمنی آراء پیش کیں۔ دونوں لڑکیوں نے عدالت سے کہا کہ مذہب کی جبری تبدیلی کے دعووں کے بعد پولیس انہیں ہراساں کر رہی ہے جس سے انہیں تحفظ فراہم کیا جائے۔ ان کی اس استدعا پر عدالت نے اپنا فیصلہ محفوظ کر لیا تھا۔

فریقین کے ساتھ ملاقات

گھوٹکی، 2 مئی 2019

2 مئی 2019، کو ایچ آر سی پی کی ٹیم نے میونسپل کمیٹی گھوٹکی کے میٹنگ ہال میں متعلقہ شہریوں کے ایک مشترکہ اجلاس میں شرکت کی۔ اجلاس کا مقصد پاکستان میں اقلیتی شہریوں کے مسائل، اغوا کے واقعات اور ہندو/شیڈول ذاتوں سے تعلق رکھنے والی لڑکیوں کے مذہب کی جبری تبدیلی اور بعد ازاں مسلم مردوں سے ان کی شادیوں پر تبادلہ خیال کرنا تھا۔

اجلاس کے شرکاء میں مذہبی اقلیتوں کے نمائندے، وکلاء، اساتذہ، سول سوسائٹی کے اراکین، ہندو پنچایت گھوٹکی، ہندو میگھواڑ پنچایت، ہندو پنچایت ڈہرکی، پاکستان میگھواڑ کونسل، گھوٹکی شہری ایکشن کمیٹی، سندھ گریجویٹس ایسوسی



ایشن، روشنی ترقیاتی تنظیم، سندھی ادبی سنگت اور دیگر ممتاز شخصیات شامل تھیں۔

عام شہریوں، گھوٹکی، ڈہرکی اور میگھواڑ برادری کی ہندو پنچایتوں کے رہنماؤں نے ایچ آر سی پی کے گھوٹکی دورے کو خوش آئند قرار دیا۔ انہیں یقین تھا کہ یہ دورہ اقلیتوں کو مخصوص طاقتور گروہوں اور افراد کے ظلم و ستم سے تحفظ فراہم کرنے کا باعث بنے گا۔ تاہم اس حوالے سے شکوک شبہات بھی موجود تھے کہ ایچ آر سی پی یا کسی بھی اور وفد کی آمد سے اس صورت حال میں بہتری کیسے آئے گی۔ ہندو برادری کی اکثریت نے شکایت کی کہ انہیں 'طاقتور' اور 'بااثر' افراد مختلف طرح کے امتیازی سلوک کا نشانہ بنا رہے ہیں۔

تاہم ایک رہنما کا کہنا تھا کہ وہ تقسیم سے آج تک گھوٹکی میں امن اور ہم آہنگی سے رہتے آئے ہیں، اور ان کے خیال میں مقامی مسلم اکثریت کے ساتھ ان کے تعلقات خوش گوار ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ گھوٹکی میں مذہب کی جبری تبدیلی کے کبھی کوئی واقعات پیش نہیں آئے، تاہم رضامندی سے مذہب تبدیل کرنے کے واقعات ضرور پیش آتے رہے ہیں جو ایک علیحدہ مسئلہ ہیں۔ مذہب کی جبری تبدیلی کے زیادہ تر واقعات ڈہرکی اور میرپور ماتھیلو میں پیش آئے ہیں۔ انہوں نے تسلیم کیا کہ جب گھوٹکی میں ڈکیتی کی وارداتیں عروج پر تھیں تو ہزاروں ہندو یہاں سے ہندوستان ہجرت کر گئے۔ انہوں نے ہندو املاک پر قبضے کے واقعات کا بھی اعتراف کیا۔

ہندو پنچایت کے ایک اور رہنما نے شکایت کی کہ مذہب کی جبری تبدیلی کا واقعہ پیش آنے کے بعد مذہبی یا سیاسی وجوہ پر ہندو برادری کو کہیں سے کوئی حمایت نہیں ملی۔ ان کا کہنا تھا کہ موبائل کے بڑھتے ہوئے استعمال کی وجہ سے ان بچیوں کو غلطیاں کرنے پر سزاؤں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان کے مطابق ان بچیوں کو کئی روز قید رکھا جاتا ہے اور مذہب تبدیل کرنے کی شہادت دینے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ اغوا کار دوران قید ان بچیوں کو ریپ اور تشدد کا نشانہ بناتے ہیں، بعض شرکاء نے بھی اس دعوے کی تائید کی۔

انہوں نے عدالتوں بشمول سپریم کورٹ کے ہندو برادری کی طرف غیر ہمدردانہ رویے پر افسوس کا اظہار کیا۔ بعض شرکا کا کہنا تھا کہ ایک جانب آئین پاکستان تمام شہریوں کو مساوی حیثیت دیتا ہے، تو دوسری جانب غیر مسلموں کو حکومت اور ریاست کے سربراہ عہدوں کے لیے نااہل قرار دیتا ہے۔

"مذہب کی تبدیلی کے واقعات میں 'جبر کا عنصر' ضرور شامل ہوتا ہے"۔ ایچ آر سی پی کے وفد کی گھوٹکی میں سول سوسائٹی کے نمائندوں کے ساتھ ملاقات

گھوٹکی کے علاوہ دیگر علاقوں سے آئے اقلیتی نمائندوں نے ہندووں کی املاک پر بااثر افراد کی جانب سے قبضے اور مذہب کی تبدیلی کے واقعات میں 'جبر' کی شکایت کی۔ اس ضمن میں بعض شرکاء نے رنکل کماری کے واقعے کی مثال پیش کی۔ رنکل کماری کو مبینہ طور پر 2012 میں اغوا کیا گیا تھا اور مذہب کی جبری تبدیلی کے بعد اس کی شادی ایک مسلمان مرد سے کر دی گئی تھی۔ شرکاء کے مطابق ایک موقع پر رنکل کماری نے عدالت عظمٰی میں اپنی ماں کے ساتھ جانے کی خواہش کا اظہار کیا تھا تاہم اس بات کی جازت نہیں دی گئی تھی۔ شرکاء کے مطابق اس کی ذہن سازی (brainwashing) کی گئی تھی۔

رینا اور روینہ کے بھائی شمن داس میگھواڑ بھی اس اجلاس میں موجود تھے۔ انہوں نے انکشاف کیا کہ جب ان کی بہنیں اغوا ہوئیں تو پولیس یا حکومت میں سے کسی نے بھی ان کے احتجاج پر ان سے رابطہ نہیں کیا، بلکہ ایس ایچ او نے تو ان سے ملاقات کی زحمت تک نہیں کی۔ انہوں نے بتایا کہ ضلعی پولیس کے سربراہ ایس ایس پی واقعے کے تین روز بعد اس وقت آئے جب انہیں ایک وزیر کی طرف سے ہدایات موصول ہوئیں۔ انہوں نے شکایت کی کہ نادرا دفتر نے دس روز چکر کاٹنے کے باوجود ان کی بہن کا فارم ب (پیدائشی سرٹیفیکیٹ) جاری نہیں کیا۔ یہ فارم بالآخر گاؤں کے چیئرمین کی مداخلت پر جاری کیے گئے۔

انہوں نے دعویٰ کیا کہ ہندووں کو حکام کے ہاتھوں اس قسم کے امتیازی سلوک کا اکثر سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان کے اہل خانہ کو تب بھی کوئی مدد نہیں دی گئی جب وہ اسلام آباد گئے۔ سپریم کورٹ میں ان کی والدہ کو لڑکیوں سے ملاقات کے لیے صرف پانچ منٹ دیئے گئے، والدہ کے مطابق ملاقات کے دوران دونوں 'مسلسل روتی رہیں' اور خوفزدہ دکھائی دیں۔

تاحال خاندان کے کسی اور فرد کو رینا یا روینہ سے رابطے کا کوئی موقع نہیں دیا گیا۔ انہوں نے سوال اٹھایا کہ مقدمے کی سماعت میں شریک ہونے کے لیے میاں مٹھو کیوں اور کس طرح اسلام آباد ہائی کورٹ پہنچ گئے۔ انہوں نے اس بات کا بھی انکشاف کیا کہ ڈہرکی میں مذہب کی جبری تبدیلی کے واقعات کا بڑے پیمانے پر جشن منایا جاتا ہے تاکہ ہندو برادری کو مزید خوفزدہ کیا جا سکے۔ ان کے مطابق ضلع گھوٹکی میں مذہب کی جبری تبدیلی کا شکار ہونے والی لڑکیوں میں سے کوئی بھی گھر واپس نہیں آ سکی۔

شمن داس نے نادرا حکام کی جانب سے ہندو برادری سے روا رکھے جانے والے عمومی امتیازی سلوک کی بھی نشاندہی کی۔ ب فارم کا حصول آسان نہیں اور صرف والدین کی موجودگی میں جاری کیے جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں ب فارم حاصل کرنے کے لیے انہیں دو مسلمان گواہ پیش کرنا پڑتے ہیں۔

اقلیتی برادری کے مطابق میاں مٹھو، برچونڈی شریف سے اپنی وابستگی کا استعمال کرتے ہوئے علاقے میں ہندو لڑکیوں کے مذہب جبری تبدیل کرانے کے واقعات کی سرپرستی کر رہا ہے۔ ڈہرکی میں بااثر افراد کی سرپرستی کی وجہ سے گھوٹکی میں جبری تبدیلی مذہب کے واقعات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ عام تاثر یہ ہے کہ بھرچونڈی شریف کے برعکس، شاہ عبداللطیف بھٹائی، سچل سرمست اور قلندر لعل شہباز کے مزارات ایسے واقعات سے لاتعلق ہیں۔ ہندو لڑکوں کے قبول اسلام کے بعد انہیں اپنے ہندو اہل خانہ کے پاس واپس جانے کی اجازت کو ایک مثال کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے، کہ کس طرح سے لڑکوں اور لڑکیوں کے معاملے میں مختلف طرز عمل اختیار کیا جاتا ہے۔

اقلیتی برادری کے مطابق میاں مٹھو، برچونڈی شریف سے اپنی وابستگی کا استعمال کرتے ہوئے علاقے میں ہندو لڑکیوں کے مذہب جبری تبدیل کرانے کے واقعات کی سرپرستی کر رہا ہے۔ ڈہرکی میں بااثر افراد کی سرپرستی کی وجہ سے گھوٹکی میں جبری تبدیلی مذہب کے واقعات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ عام تاثر یہ ہے کہ بھرچونڈی شریف کے برعکس، شاہ عبداللطیف بھٹائی، سچل سرمست اور قلندر لعل شہباز کے مزارات ایسے واقعات سے لاتعلق ہیں۔ ہندو لڑکوں کے قبول اسلام کے بعد انہیں اپنے ہندو اہل خانہ کے پاس واپس جانے کی اجازت کو ایک مثال کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے، کہ کس طرح سے لڑکوں اور لڑکیوں کے معاملے میں مختلف طرز عمل اختیار کیا جاتا ہے۔

بعض شرکاء نے ایسے واقعات میں میاں مٹھو کی مرکزی حیثیت کی نفی کی۔ ان شرکاء نے ٹیم کو آگاہ کیا کہ مقامی لوگ مذہب تبدیل کرنے اور تحفظ حاصل کرنے کے لیے میاں مٹھو سے رابطہ کرتے ہیں۔

اس سوال کے جواب میں کہ مذہب تبدیل کرنے اور والدین کی مرضی کے برخلاف شادی کرنے والی لڑکیوں کے ساتھ بعد میں کوئی رابطہ کرنے کی کوشش کی گئی، ٹیم کو آگاہ کیا گیا کہ ایسی لڑکیوں میں سے 99 فیصد سے متعلق کوئی اطلاعات موجود نہیں۔ پنچایت اور ہندو برادری مزید ظلم وستم کے خوف سے ان لڑکیوں کی خبر گیری سے ہچکچاتے ہیں۔ ہندو برادری اپنی عزت بچانے کی خاطر بھی خاموش رہتی ہے۔ میگھواڑ اور کوہلی برادریوں کے ساتھ پیش آنے والے واقعات اس لیے بھی سامنے آجاتے ہیں کیوں کہ یہ ذاتیں مالی اعتبار سے زیادہ خوش حال ہیں، لیکن بھیل اور بھاگڑی ذاتوں سے تعلق رکھنے والی لڑکیوں کی جبری تبدیلی کے واقعات عموماً نظروں سے اوجھل رہتے ہیں۔

بعض شرکاء نے ہندو لڑکیوں کو اپنی غلطی کا احساس ہو جانے پر اس کی تلافی کرنے کی اجازت نہ ملنے کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ ان لڑکیوں کو بدقسمتی سے اپنی غلطیوں کے نتائج بھگتنے پر مجبور کیا جاتا ہے، ان پر دباؤ ڈالا جاتا ہے کہ وہ عدالت میں اسلام قبول کرنے اور اپنی نئی زندگی گزارنے کا اعتراف کریں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک بار ان لڑکیوں کے چلے جانے کے بعد یہ اپنی برادری میں کبھی واپس نہیں آسکتیں۔

اس معاملے پر شدید احتجاج کا مطالبہ کیا گیا، تاکہ ہندو لڑکیاں اپنی برادری میں واپس آسکیں، بصورت دیگر جس کا کوئی امکان موجود نہیں۔ اگرچہ رینا اور روینہ کا معاملہ عالمی توجہ حاصل کر چکا تھا، مگر مقامی 'بااثر' حلقے اسے تسلیم کرنے سے انکاری تھے۔ 'بااثر' حلقوں کی مداخلت پر ہی مذہب کی 'جبری' تبدیلی کی روک تھام ممکن ہے۔

ٹیم کو آگاہ کیا گیا کہ ہندو برادریاں روایتی طور پر تنگ ذہن رہی ہیں اور شیڈول ذاتوں کے ساتھ مذہبی عقائد کی بنیاد پر روا رکھا جانے والا برتاؤ ان ذاتوں کے ساتھ امتیازی سلوک میں اضافے کا سبب بنا ہے۔ ایسی لڑکیوں کے متنازع ماضی کی وجہ سے یہ برادریاں بالعموم انہیں قبول کرنے یا ان کے ساتھ عزت سے پیش آنے کو تیار نہیں ہوتیں۔ یہ امر ان لڑکیوں کے لیے اپنی برادریوں میں پہلے جیسا مقام اور مرتبہ حاصل کرنے کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہے۔

ٹیم کو بتایا گیا کہ رضامندی کے ساتھ مذہب کی تبدیلی قابل قبول ہے تاہم جبراً نہیں۔ ایک صحافی نے نشاندہی کی کہ مذہب کی جبری تبدیلی کے واقعات میں شہادتیں براہ راست ہائی کورٹ میں ریکارڈ کی جاتی ہیں۔ ایک اور قانونی بے

ضابطگی یہ ہے کہ اگرچہ جبری تبدیلی کے واقعات ایک دوسرے سے مختلف نوعیت کے ہوتے ہیں لیکن حکام ایسے واقعات کو اکٹھا کر دیتے ہیں۔

"مذہب کی جبری تبدیلی کی روک تھام صرف اس وقت ممکن ہوتی ہے جب بااثر افراد مداخلت کرتے ہیں"۔

ایچ آر سی پی کے وفد کی گھوٹکی میں سول سوسائٹی کے نمائندوں کے ساتھ ملاقات

شرکاء کا دعویٰ تھا کہ مذہب کی تبدیلی کے 90 فیصد واقعات میں جبر کا عنصر موجود ہوتا ہے۔ اس مسئلے کا باعث بننے والے عوامل میں غربت سے چھٹکارا، محبت، بہتر سماجی مرتبے کا حصول اور جبر شامل ہیں، تاہم ان واقعات کو معمول خیال کیا جاتا ہے۔ ٹیم کو آگاہ کیا گیا کہ ایسے واقعات کا نشانہ بننے والی بہت سی لڑکیاں پہلے سے شادی شدہ ہوتی ہیں۔ ایک اور صحافی نے اس امر کی نشاندہی کی کہ جب لڑکیاں اسلام قبول کرتی ہیں تو جشن منایا جاتا ہے لیکن جب لڑکے اسلام قبول کریں تو انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ شرکاء کی ایک بڑی تعداد نے ایسے واقعات میں ریاست کے ملوث ہونے یا رضامندی کا بھی ذکر کیا۔

ٹیم نے مقامی ہندوؤں سے مذہب کی جبری تبدیلی کے واقعات میں وکلاء کے طرزِ عمل کے متعلق دریافت کیا۔ شرکاء کا کہنا تھا کہ زیادہ تر اچھے وکیل ایسے مقدمات لینے سے ہچکچاتے ہیں، صرف سیاسی پس منظر کے حامل وکلاء ایسے مقدمات کی پیروی کرتے ہیں۔ تاہم یہ معاملہ بھی صرف ایسے افراد کے لیے ہے جو وکلاء کے اخراجات برداشت کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں، ایک بڑی تعداد اسلام آباد میں عدالت عظمیٰ میں قانونی نمائندگی کا خرچ برداشت کرنے کی سکت نہیں رکھتی۔

میگھواڑ برادری کے ایسے واقعات سے زیادہ متاثر ہونے کی وجہ یہ بتائی گئی کہ میگھواڑ عموماً اپنی لڑکیوں کو تعلیم نہیں دلاتے۔ نہ تو ان کی پیدائش کا اندراج کرایا جاتا ہے اور نہ ہی انہیں پولیو کے قطرے پلائے جاتے ہیں، جس سے میڈیکل کارڈز پر ان کی عمر کا کوئی ریکارڈ بن سکے۔ بہت سے شرکاء نے ان علاقوں میں ہندو لڑکیوں کے تعلیم سے محروم رہنے کی ذمہ داری والدین پر عائد کی۔

ایک غیر سرکاری تنظیم کے کارکن کا کہنا تھا کہ نادرا تک متعلقہ معلومات پہنچانے کی ذمہ داری والدین یا ہندو پنچایت کے سربراہ پر عائد ہوتی ہے۔ اگر بچوں کو گھر پر موزوں ماحول ملتا تو شاید وہ معقول فیصلے کر سکتے۔ تاہم اس ضمن میں ریاست کی ذمہ داری سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔ ریاست کو شہریوں کے لاعلم ہونے کی وجہ سے ان کے حقوق کے تحفظ سے اجتناب نہیں برتنا چاہیئے۔ نادرا کے متعلقہ اہلکاروں کی دفاتر میں عدم موجودگی بھی مسئلے کا حصہ ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ ہندو برادری کو جان بوجھ کر پسماندہ رکھا جا رہا ہے۔



اس مسئلے کا زیادہ تر شکار ڈھرکی اور گھوٹکی کے اضلاع ہیں، جس کی وجہ ان علاقوں کا تجارتی پس منظر اور مدارس کی دسترس کا ہونا ہے۔ ان اضلاع میں (ان مدارس کو) قابل ذکر سیاسی اثر ورسوخ بھی حاصل ہے۔ تھر کے کوئلے کے ذخائر اور چینی سرمایہ کاری کی وجہ سے تھرپارکر میں بھی مدارس کے اثر ورسوخ میں اضافہ ہوا ہے۔ یہ مدارس غیر مسلم آبادی کو ہدف بناتے ہیں۔ ان علاقوں میں ریاست کے معاشی مفادات کی موجودگی کی وجہ سے انہیں سرکاری سرپرستی بھی حاصل ہے۔ ان علاقوں میں غیر مسلم تاجروں کے کاروبار کو بھی نقصان پہنچایا گیا ہے۔

بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے، دیگر شرکاء نے بھی ہندو برادری سے روا رکھے جانے والے منظم امتیازی سلوک کی تصدیق کی۔ یہ امر ان کے متعدد انسانی حقوق کی خلاف ورزی کا باعث بنتا ہے، جس کی تلافی کا کوئی چارہ دستیاب نہیں۔

گفتگو میں شریک ایک فرد نے ٹیم سے 1847 سے اب تک ہندوؤں کی آبادی میں بے تحاشا کمی پر سوچ بچار کرنے کا مطالبہ کیا۔ بعض شرکاء کے نزدیک ہندومت میں موجود ذات پات کا نظام ہندو برادری کے مسائل میں اضافے کا باعث بن رہا ہے۔

سفارشات

اس ملاقات میں پیش کی گئی اہم سفارشات یہ تھیں:

1۔ اس مسئلے کو بڑی حد تک حل کیا جا سکتا ہے اگر ریاست مذہب کی تبدیلی کا ایک طریق کار متعین کر دے۔ اس مقصد کے لیے ایک خصوصی قانون بنایا جا سکتا ہے جس کے تحت مذہب کی تبدیلی مجسٹریٹ یا ڈپٹی کمشنر کی موجودگی میں ہونا قرار پائے۔ متنازعہ مذہبی رہنماؤں یا مدارس کی جانب سے قبول اسلام کی سند جاری کرنے پر پابندی عائد کی جائے۔

2۔ دور دراز علاقوں کے باشندوں اور خانہ بدوشوں کے اندراج کے لیے نادرا وہاں اپنے موبائل یونٹ بھیجے۔

3۔ وزیر اعلیٰ سندھ مذہبی اقلیتوں کے مسائل سے آگاہی کے لیے ہندو برادری اور شیڈول ذاتوں کے اراکین سے ملاقات کریں۔

4۔ مذہبی اقلیتوں سے تعلق رکھنے والے شہریوں نے اقلیتی ایم این ایز اور ایم پی ایز کے کردار سے متعلق شدید تحفظات کا اظہار کیا۔ شہریوں کے مطابق یہ (اراکین) عملاً اپنی برادریوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے کچھ بھی نہیں کرتے۔ اجلاس میں شریک ایک فرد نے مذہبی اقلیتوں کے نمائندگان کے انتخاب کے لیے دو ووٹ ڈالنے کی اجازت کا مطالبہ کیا؛ (الف) عمومی نشستوں کے لیے اور ب) مخصوص نشستوں کے لیے۔

5۔ اقلیتوں میں پائی جانے والی بے چینی کے خاتمے اور ان کے بنیادی مسئلے یعنی نابالغ بچیوں کو جبراً اسلام قبول کرنے پر مجبور کیے جانے کے حل کے لیے، ملک بھر میں شادی اور مذہب کی تبدیلی کے لیے کم سے کم عمر 18 برس مقرر کی جائے اور اس پر سختی سے عملدرآمد کرایا جائے۔ مذہب کی جبری تبدیلی کے واقعات کی جانچ کا اختیار ڈپٹی کمشنروں کو دیا جائے، جو اس سلسلے میں طبی شواہد کی بنیاد پر فیصلہ کریں۔

6۔ تعلیمی اداروں اور ملازمتوں میں پانچ فیصد اقلیتی کوٹے پر عملدرآمد یقینی بنایا جائے۔ تعلیم کے شعبے میں مخصوص نشستیں اقلیتی افراد کو میرٹ کی بنیاد پر نہیں دی جاتیں، یہی وجہ ہے کہ یہ اپنا مقصد موثر انداز میں پورا نہیں کر پاتیں۔

7۔ ایسی لڑکیاں جنہیں اپنی غلطی کا احساس ہو جائے، ان کے لیے محفوظ پناہ گاہیں تعمیر کی جائیں، تاکہ وہ اپنی برادری کے پاس واپس جا سکیں۔

8۔ بین المذاہب ہم آہنگی یقینی بنانے کے لیے ملک بھر میں مختلف العقیدہ افراد کے لیے تقریبات منعقد کی جائیں۔ اسی طرح ملک بھر میں موجود مذہبی پنچایتوں کو بھی مل بیٹھنا چاہیئے۔

9۔ ملک بھر میں مذہبی اقلیتوں کو درپیش مسائل سے نمٹنے کے لیے ایک آزاد کمیشن قائم کیا جائے۔

ضلعی انتظامیہ، گھوٹکی کے ساتھ ملاقات
میر پور ماتھیلو، 3 مئی 2019

3 مئی 2019 کو ایچ آر سی پی کے وفد نے گھوٹکی کی ضلعی انتظامیہ کے ساتھ تفصیلی ملاقات کی۔ یہ ملاقات ڈپٹی

کمشنر گھوٹکی کے دفتر میں قائم ضلعی ہیڈکوارٹر میر پور ماتھیلو میں ہوئی۔

ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر میر رضوان نذیر، مختیارکار/تحصیل دار (ریونیو افسر) اشرف پتافی، اسسٹنٹ ریونیو افسر خلیل سومرو اور ایک زیر تربیت اہلکار نے انتظامیہ کا موقف بیان کیا۔

رینا اور روینہ کا واقعہ زیر بحث آیا۔ انتظامیہ کے مطابق اہل خانہ کے موقف کے برعکس، دونوں لڑکیاں اپنی مرضی سے گئی ہیں۔ انتظامیہ کے مطابق جن دو مسلمان مردوں کے ساتھ ان کی شادی ہوئی ہے ان کا رینا اور روینہ کے گھر کافی آنا جانا تھا، دونوں خاندانوں کے دیہاتوں میں ایک ڈیڑھ کلومیٹر کا فاصلہ ہے۔ انتظامیہ کا کہنا تھا کہ گھر والوں کے لیے لڑکیوں کا مذہب تبدیل کرنا ناقابل قبول عمل ہے، اس لیے وہ اسے جبری تبدیلی مذہب کا واقعہ قرار دے رہے ہیں۔ اس واقعے کے پیچھے بنیادی محرک محبت ہے نا کہ اسلام سے وابستگی۔ ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ پی پی پی کے بعض صوبائی اراکین اسمبلی ہندوؤں کی حمایت کر رہے ہیں، لیکن مجموعی طور پر صوبائی حکومت نے اس مسئلے کے حل کے لیے کوئی خاطر خواہ اقدامات نہیں کیے، اور اراکین اسمبلی زیادہ تر اس معاملے سے لاتعلق ہی رہے ہیں۔

علاوہ ازیں، بھرچونڈی شریف کی درگاہ کا اس تمام واقعے سے کوئی تعلق نہیں۔ ان کے مطابق درگاہ صرف انہی کو تحفظ فراہم کرتی ہے جو وہاں جا کر تحفظ کی درخواست کرتے ہیں، اپنے تئیں درگاہ کسی معاملے میں شریک نہیں ہوتی۔ انتظامیہ نے اعتراف کیا کہ میاں مٹھو اپنی تشہیر کر رہے ہیں۔

انتظامیہ کے مطابق، لڑکیوں کو ان کی وراثت سے محروم کرنے کے لیے ان کی پیدائش کا اندراج مؤخر یا موقوف کیا جاتا ہے (اور یہ چلن صرف ہندو برادری سے مخصوص نہیں)۔ انہوں نے سندھ میں دوسری شادی کے عام ہونے کا بھی دعویٰ کیا۔

انتظامیہ کے مطابق چونکہ لڑکیاں اپنی برادری کے رسم و رواج کے برخلاف مذہب تبدیل کر کے شادی کرتی ہیں، اس لیے وہ اپنے خاندان والوں سے بعد میں رابطہ نہیں کرتیں۔ افسران کا کہنا تھا کہ شادی کے بعد والدین اور لڑکیوں کی ملاقات نہ ہونے کی وجہ سے مذہب کی تبدیلی کے واقعات میں مسائل جنم لیتے ہیں، اگرچہ اسلام میں بچوں کے قبول اسلام کے بعد والدین سے ملاقات پر کوئی پابندی عائد نہیں۔

انتظامیہ نے اس امر سے اتفاق کیا کہ جو لڑکیاں اپنے خاندان کے پاس واپس جانا چاہتی ہیں انہیں ریاست سے رابطہ کرنے کی سہولت حاصل ہونی چاہیئے اور ریاست کو انہیں مدد فراہم کرنی چاہیئے۔ انتظامیہ کے اہلکار پاکستان اور مسلمانوں کی ساکھ کے بارے میں فکرمند تھے، انہیں حیرت تھی کہ پاکستانی ہندو ایسے معاملات کیوں اچھالتے ہیں جن سے دنیا بھر میں پاکستان کی بدنامی ہوتی ہے۔

مقامی ہندوؤں سے متعلق ان کا کہنا تھا کہ عموماً انہیں ان کے مسلم کاروباری شراکت دار تحفظ فراہم کرتے ہیں۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ آیا مذہب کی جبری تبدیلی کے واقعات کے فالو اپ کا کوئی نظام موجود ہے تو انہوں نے بتایا کہ فی الحال ایسا کوئی ادارہ موجود نہیں۔ علاوہ ازیں جب ان سے جبری واقعات کی شکایت کرنے والوں کے ساتھ پولیس کے رویے کے بارے میں پوچھا گیا تو انتظامیہ کے اہلکاروں کا کہنا تھا کہ پولیس اپنا کام مستعدی سے کر رہی ہے۔

"مذہب کی مبینہ جبری تبدیلی کے واقعات کی صورتحال پر باقاعدہ نظر رکھنے کے لیے کوئی ادارہ موجود نہیں ہے"۔ ایچ آر سی پی کے وفد کی ضلعی انتظامیہ گھوٹکی کے ساتھ ملاقات۔

سفارشات

مذہب کی جبری تبدیلی کے واقعات کی روک تھام کے لیے انتظامیہ کی جانب سے درج ذیل سفارشات پیش کی گئیں:

1۔ مذہب کی جبری تبدیلی کی روک تھام کے لیے آگے بڑھنے کا سب سے اہم راستہ قانون سازی ہے۔ پارلیمان کو قانون سازی کرنی چاہیئے تاکہ عدلیہ اس معاملے میں زیادہ اہم کردار ادا کر سکے اور اس مسئلے کے حل کے لیے سرکاری ادارے قائم کیے جاسکیں۔

2۔ عدالتوں کو مذہب کی جبری تبدیلی کے واقعات میں متاثرین کی حفاظت اور ان کے مقدمات کی پیروی کے لیے زیادہ مؤثر کردار ادا کرنا چاہیئے۔

ایس ایس پی ضلع گھوٹکی سے ملاقات

میر پور ماتھیلو، 3 مئی 2019

انتظامیہ سے بات چیت کے بعد ٹیم نے ایس ایس پی گھوٹکی خرم لنجار کے ساتھ ملاقات کی۔ انہوں نے پولیس کا موقف پیش کیا۔ ٹیم کو آگاہ کیا گیا کہ ایس ایس پی لنجار چار ماہ قبل ہی یہاں تعینات ہوئے ہیں۔

ایس ایس پی نے رینا اور روینہ کے مبینہ اغوا کی ایف آئی آر کے اندراج میں کسی بھی قسم کی تاخیر کی تردید کی۔ انہوں نے واقعے کے ایک روز بعد ہی ایف آئی آر کے اندراج کا دعویٰ کیا۔ انہوں نے کہا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لڑکیاں اپنی مرضی سے مسلمان لڑکے منتخب کرتی ہیں۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ پولیس عموماً ایسے واقعات میں خفیہ شادی کے مرتکب افراد کو گرفتار کرتی ہے۔ انہوں نے اس تاثر سے اتفاق کیا کہ مذہب کی تبدیلی کے واقعات کی سرپرستی میں تشہیر اور سیاسی پوائنٹ اسکورنگ کا عنصر بھی موجود ہوتا ہے۔ نتیجتاً، مثال کے طور پر کوئی شخص ضلع خیرپور میں واقع چونڈ کو سے اٹھ کر قبول اسلام کے لیے ڈہرکی جائے تو یہ کوئی عجیب بات نہیں ہوگی۔ ایس ایس پی نے یہ بھی واضح کیا کہ انہوں نے اسلام آباد سے مذہب تبدیل کرنے والی لڑکیوں کی ڈہرکی واپسی پر جشن منانے کی حوصلہ شکنی کی تھی۔

"ضلعی انتظامیہ کو مذہب کی جبری تبدیلی کا شکار ہونے والی ہندو لڑکیوں کے حالات کار کا تازہ ترین ریکارڈ مرتب کرنے کی ضرورت ہے"۔ ایچ آر سی پی کے وفد کی ایس ایس پی گھوٹکی کے ساتھ ملاقات

انہوں نے اعتراف کیا کہ سماجی تانا بانا ایسا ہے کہ غریب اور شیڈول ذاتوں سے تعلق رکھنے والے ہندوؤں کو کم تر سمجھا جاتا ہے اور بدقسمتی سے پولیس انہیں نظر انداز کرتی ہے۔

ایس ایس پی کے بقول، اس مسئلے کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہندو لڑکیوں کو اپنی مرضی سے اپنا جیون ساتھی منتخب کرنے کا موقع نہیں دیا جاتا۔ مذہب کی تبدیلی میں ذاتی محبت کا عنصر اسلام کی محبت سے کہیں بڑھ کر کارفرما ہے۔ ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ بھرچونڈی شریف کی درگاہ غالباً اپنے تئیں مذہب کی تبدیلی کے ان واقعات میں حصہ لے کر ایک نیکی کا کام کر رہی ہے، اور درگاہ کو غیر ضروری طور پر ان واقعات میں گھسیٹا جا رہا ہے۔ ان کے مطابق قبول اسلام کے بعد لوگ خود تحفظ کے لیے بھرچونڈی شریف کا رخ کرتے ہیں۔ اس علاقے میں قبول اسلام کے اس قدر واقعات کی وجہ سے بھی یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ دیگر علاقوں کی نسبت یہاں مذہب تبدیل کرنے والوں کے لیے زیادہ تحفظ ہے۔

رنکل کے واقعے پر بات کرتے ہوئے ایک اہلکار کا کہنا تھا کہ وہ اپنی رضامندی سے اپنے شوہر کیساتھ گئی تھی۔ (نوٹ: یہ بیان ایچ آر سی پی کے وفد کو دیگر ملاقاتوں میں پیش کئے گئے موقف سے متضاد ہے۔)

سفارشات

ایس ایس پی گھوٹکی کی جانب سے پیش کی گئی سفارشات درج ذیل ہیں:

1۔ مذہب کی تبدیلی کسی باضابطہ طریق کار کے تحت ہونی چاہیئے اور اس کا اندراج یا رسمی اعلان کسی عدالت میں ہونا چاہیے۔

2۔ مذہب کی تبدیلی کے لیے ریاست کو کم سے کم عمر کا تعین کرنا چاہیئے۔

3۔ اس صورت حال کو بہتر بنانے اور مسائل کو حل کرنے کے لیے ضلعی انتظامیہ کو زیادہ فعال کردار ادا کرنا چاہیے۔ ضلعی انتظامیہ کو ایسے واقعات سے متاثر ہونے والی لڑکیوں کی صورت حال کا ریکارڈ رکھنا چاہئے۔

صحت

ملک میں پولیو سے متاثرہ بچوں کی تعداد 10 ہوگئی

اسلام آباد ملک میں نواں پولیو کیس سامنے آنے کے ایک روز بعد ہی قومی ادارہ صحت نے لاہور میں ایک سالہ بچی کے پولیو وائرس سے متاثر ہونے کی تصدیق کردی جس کے بعد رواں برس اب تک ملک میں پولیو وائرس سے متاثر ہونے والے بچوں کی مجموعی تعداد 10 ہوگئی۔ لاہور میں مسلسل دوسرے روز سامنے آنے والے کیس کے بعد صرف اس شہر میں پولیو سے متاثرہ بچوں کی تعداد 3 تک پہنچ چکی ہے۔ اس حوالے سے لیبارٹری کے ایک عہدیدار نے ڈان سے گفتگو کرتے ہوئے بتایا کہ 'ایک سالہ بچی اس مہلک مرض کے وائرس سے متاثر ہوکر معذور ہوگئی'۔ ان کا کہنا تھا کہ مذکورہ بچی سے نمونے 17 اپریل کو لیے گئے تھے لیکن وائرس کی علامت ظاہر ہونے میں 3 ہفتوں کا عرصہ درکار رہتا ہے جس کے باعث جمعرات کو اس بات کی تصدیق ہوسکی کہ یہ بچی پولیو کے باعث معذوری کا شکار ہوچکی ہے۔ اس ضمن میں وزیراعظم کے فوکل پرسن برائے انسدادِ پولیو بابر بن عطا کا کہنا تھا کہ لاہور سے مزید ایک کیس سامنے آنے کے بعد صرف 2019 میں پولیو کیسز کی تعداد 10 تک پہنچ چکی ہے۔ ایک سوال کے جواب میں ان کا کہنا تھا کہ عوام کی جانب سے ویکسینیشن میں مزاحمت اس مرض کے 100 فیصد خاتمے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ ان کا مزید کہنا تھا کہ 'لوگ نہ صرف انسدادِ پولیو مہم میں رکاوٹ بنتے ہیں بلکہ ویکسینیشن سے بچنے کے لیے ہر طرح کا حربہ استعمال کرتے ہیں، اسی طرح کا واقعہ حالیہ مہم کے دوران پشاور میں پیش آیا'۔ بابر بن عطا اس ڈرامائی صورتحال کا حوالہ دے رہے تھے جس میں پشاور کے نزدیکی گاؤں ماشوخیل میں اسکول کے طالب علموں کو مبینہ طور پر پولیو کی ویکسینیشن کے بعد طبیعت بگڑنے کی شکایت پر حیات آباد ہسپتال منتقل کیا گیا تھا۔ تاہم بعد میں یہ بات سامنے آئی کہ پولیو مہم کو روکنے کے لیے ڈرامہ رچایا گیا تھا اور تمام بچے محفوظ تھے جس کے بعد ذمہ داروں کو گرفتار کرکے ان کے خلاف کارروائی بھی کی گئی تھی۔ بابر بن عطا کا مزید کہنا تھا کہ آزادانہ نگرانی کے بورڈ (آئی ایم بی) کی گزشتہ رپورٹ میں پولیو کے قطرے پلانے کے پروگرام میں متعدد خامیوں کی نشاندہی کی گئی تھی جن میں سے ایک عوام کی طرف سے مزاحمت کرنا بھی ہے۔ خیال رہے کہ نومبر 2012 کی رپورٹ میں پاکستان پر سفری پابندی عائد کرنے کی تجویز بھی دی گئی تھی جس کا اطلاق 5 مئی 2014 کو کردیا گیا تھا۔ اس سفری پابندی کے تحت ہر پاکستانی کو بیرونِ ملک سفر سے قبل پولیو کے قطرے پینا لازمی قرار دے دیا گیا تھا۔ بابر بن عطا کا مزید کہنا تھا کہ اس کے باوجود 'پاکستان مسلم لیگ (ن) کی حکومت نے اس مسئلے کی جانب توجہ دینا گوارا نہیں کیا جس کے باعث پولیو کیسز کی تعداد میں اضافہ ہوا'۔ ان کا مزید کہنا تھا کہ 'اگر ہم اس مہلک بیماری کے خاتمے میں سنجیدہ ہیں تو ہمیں عوام کا اعتماد حاصل کرنا ہوگا'۔

(بشکریہ ڈان)

لیڈی ہیلتھ ورکرز کی بھوک ہڑتال

حیدرآباد آل پاکستان لیڈی ہیلتھ ورکرز ویلفیئر ایسوسی ایشن حیدرآباد کی جانب سے ریٹائرڈ اور فوت ہونے والی لیڈی ہیلتھ ورکرز کے مسائل کے حل کے لیے آل پاکستان لیڈی ہیلتھ ورکرز ویلفیئر ایسوسی ایشن کی رہنما سعیدہ شاہین اور دیگر کی قیادت میں تیسرے روز بھی حیدرآباد پریس کلب کے سامنے علامتی بھوک ہڑتال کی گئی۔ اس موقع پر لیڈی ہیلتھ ورکرز نے اپنے مطالبات کے حق میں نعرے بازی کی۔ بھوک ہڑتالی کیمپ پر خطاب کرتے ہوئے سعیدہ شاہین نے کہا کہ ریٹائرڈ ہونے والی لیڈی ہیلتھ ورکرز کئی مسائل کا شکار ہیں اور 1995 سے بھرتی ہونے والی ورکرز کو پنشن اور گریجوٹی بھی نہیں دی جارہی ہے اور نہ ہی فوت ہونے والی لیڈی ہیلتھ ورکرز کے بچوں کی نوکریاں دی جارہی ہیں جبکہ دیگر سرکاری اداروں میں ریٹائرڈ اور فوت ہونے والے ملازمین کے بچوں کو سن کوٹہ پر نوکریاں فراہم کی جاتی ہیں۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ ریٹائرڈ لیڈی ہیلتھ ورکرز کو مزید تین سال کا کنٹریکٹ دیا جائے اور زبردستی ریٹائرڈ کئے گئے ملازمین کو مکمل معاوضہ دیئے کر ریٹائرڈ اور فوت ہونے والی لیڈی ہیلتھ ورکرز کے بچوں کو میرٹ پر نوکریاں فراہم کی جائیں۔

(لالہ عبدالحلیم)

پولیو ٹیم پر فائرنگ، ایک اہلکار شہید

بونیر 24 اپریل 2019ء کو تورورسک جنگدرہ میں پولیو ٹیم پر فائرنگ میں پولیس جوان شہید ہوگیا۔ بونیر کے علاقہ غلو تنگے تورورسک میں پولیو ٹیم پر اس وقت فائرنگ کی گئی جب وہ پولیو مہم کے تیسرے روز بچوں کو پولیو کے قطرے پلانے گھر گھر جارہی تھی، فائرنگ سے پولیس جوان ظفر خان سکنہ چناڑ موقع پر جاں بحق ہوگیا۔ اطلاع ملتے ہی پولیس اور دیگر سکیورٹی اداروں نے سرچ آپریشن شروع کردیا اور متعدد مشکوک افراد کو گرفتار کرلیا۔ شہید کی نماز جنازہ پولیس لائن ڈگر میں ادا کی گئی۔

(نامہ نگار)

ڈاکٹروں کی ہڑتال پر مریضوں کو پریشانی کا سامنا

پشاور 29 اپریل 2019ء کو خیبر ٹیچنگ ہسپتال پشاور میں ڈاکٹروں کی ہڑتال میں او پی ڈی کے دیگر شعبوں سمیت لیبارٹری بند ہونے سے مریضوں کو شدید پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ انتظامی افسران کی جانب سے ہڑتال کی ناکامی کیلئے کچھ نہ کرنے پر مریضوں میں شدید مایوسی پھیل گئی، اس حوالے سے مریضوں کا کہنا ہے کہ خیبر ٹیچنگ ہسپتال پشاور میں گزشتہ روز ڈاکٹروں کی ہڑتال رہی تاہم ہسپتال کی او پی ڈی میں صبح سے ہی آئی ٹی کا شعبہ بھی بند رہا اور مریضوں کو پرچیاں نہیں دی جارہی تھیں جبکہ او پی ڈی کی لیبارٹری بھی بند رہی جن کی بندش کا کوئی جواز ہی نہیں تھا، لیبارٹری کی بندش کی وجہ سے غریب اور لاچار مریضوں کو مختلف ٹیسٹوں کیلئے نجی لیبارٹریوں کا رخ کرنا پڑا، جو نہ صرف ان کی جیب پر بھاری رہا، بلکہ تکلیف کا بھی باعث بنا۔

(نامہ نگار)



23اپریل،لاہور:مذہبی اقلیتوں کے حقوق پر عدالت عظمیٰ کے 2014 کے فیصلے کے نفاذ کے لیے مشاورت کا اہتمام

مئی

انسانی حقوق کے عالمی دن

3 مئی	آزادی صحافت کا عالمی دن
8-9 مئی	دوسری جنگ عظیم میں جاں بحق ہونے والے افراد کو یاد کرنے اور ان سے یکجہتی کا دن
10- مئی	نقل مکانی کرنے والے پرندوں کا عالمی دن (یو این ای پی)
13 مئی	''ویساک''،پورے چاند کا عالمی دن
15 مئی	کنبوں کا عالمی دن
17 مئی	ٹیلی مواصلات اور معلوماتی اداروں کا عالمی دن (آئی ٹی یو)
21 مئی	بحث مباحث اور ترقی کے لیے ثقافتی تنوع کا عالمی دن
22 مئی	حیاتیاتی تنوع کا عالمی دن
23 مئی	زچگی کے دوران پیدا ہونے والے گھاؤ کے خاتمے کا عالمی دن
29 مئی	اقوام متحدہ کے امن فوجی دستوں کا عالمی دن
31 مئی	تمباکو نوشی کی ممانعت کا عالمی دن

Human Rights Commission of Pakistan

جہد حق

Monthly **JEHD-E-HAQ**



لاہور: ’’مقتدر حلقوں کے سامنے حق بات کرنا: صحافیوں پر حملے‘‘ پر سیمینار......لاہور: ایچ آر سی پی کا تینتیسواں سالانہ عمومی اجلاس

پبلشر: ندیم فاضل: پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
’’ایوان جمہور‘‘ 107۔ ٹیپو بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور
فون: 35838341-35864994 فیکس: 35883582
ای میل hrcp@hrcp-web.org ویب سائٹ: www.hrcp-web.org
پرنٹر: مکتبہ جدید پریس، 14 ایمپرس، لاہور Registered No. LRL-15